اسلام

جس سے مجھے عشق ہے

مصنف

عبداللہ اَڈیار

مُترجِم

ایم۔اے جمیل احمد

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصنف کا تعارُف

مسٹر اڈیار ۱۹۳۵ء میں ضلع کوئمبٹور کے شہر تری پورہ میں پیدا ہوئے، انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کی۔ اسکول اور کالج کی زندگی میں ادبی پروگراموں میں انھیں کافی دلچسپی رہی۔ آپ کالج کے تمل ادبی شعبے کے سکریٹری بھی رہے۔

وہ ونوبا بھاوے کے ساتھ بھودان تحریک سے بھی وابستہ رہے اور اس کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ اس تحریک کے آرگن گرام دان کے بھی آپ ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔

تمل ناڈ کے معروف روز نامہ ''تزل مرسولی'' کے نامہ نگار اور نائب مدیر کے فرائض بھی آپ نے انجام دیے ہیں۔

مسٹر اڈیار نے بہت سے ڈرامے بھی لکھے ہیں اور ایک زمانے میں آپ نے فلموں کے لیے مکالمے بھی لکھے ہیں۔ آپ کے مکالموں اور دیگر تحریروں کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی، موصوف تمل زبان کے ایک شعلہ بیان مقرر ہیں۔ طرز نگارش میں بھی آپ کو انفرادی خصوصیت حاصل ہے۔

ایمرجنسی کے دور میں گرفتار ہونے والوں میں آپ بھی شامل تھے اور اس سلسلے میں آپ کو کافی مشکلات اور صعوبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

اس وقت آپ روز نامہ ''نیروٹم'' کے مدیر اور تمل ناڈ کی برسر اقتدار پارٹی کی مجلس عاملہ کے ایک رکن ہیں۔

بچپن ہی سے مسلم طلبہ آپ کے ساتھی رہے ہیں آپ کے اساتذہ میں بھی کئی ایک مسلمان تھے۔ مدراس کی صحافتی زندگی میں اور سیاسی سرگرمیوں کے دوران بھی بہت سے مسلم

حضرات آپ کے دوست اور ساتھی تھے یہی وجہ ہے کہ اسلام اور اس کے عقائد کے بارے میں بہ آسانی بہت کچھ معلومات انھیں حاصل ہوگئیں۔ اس کے بعد آپ خود بھی اسلام کے مطالعے کی طرف راغب ہوئے اور اسلام کا اچھا خاصا مطالعہ کیا۔ ایمر جنسی کے زمانے میں جب میسا کے تحت آپ کی گرفتاری عمل میں آئی اور آپ ڈیڑھ سال تک نظر بند رہے تو اسلام کے مطالعے کا ایک اور موقع آپ کو میسر آیا، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا۔ رہائی کے بعد ''اسلام جس سے مجھے عشق ہے'' کے عنوان سے آپ نے مسلسل مضامین کا سلسلہ اپنے اخبار میں شروع کیا۔ ساری دنیا مستقبل قریب میں براہِ راست یا بالواسطہ اسلام کو اختیار کر لے گی۔ یہ موصوف کا غیر متزلزل یقین ہے۔

ایم۔ اے۔ جمیل احمد

بہترین نمونہ

دینِ اسلام کو میں خاص عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔اس سلسلے میں میں اپنے خیالات سپردِ قلم کررہا ہوں۔امید ہے قارئین بہ غور مطالعہ فرمائیں گے۔

عام طور سے مذاہب کے بانیوں کو آج رجعت پسند کہا جاتا ہے،لیکن میری تحقیق یہ ہے کہ یہ سب اپنے اپنے دور کے جاہلانہ رسوم کے خلاف آواز اُٹھانے والے انقلابی لیڈر تھے۔

ہندو مذہب یا ویدک مذہب کی اصلاح کی کوشش کرنے والے شنکر اچاریہ بھی انقلابی تھے۔وید کے ایک معنی نظروں سے اوجھل یا پوشیدہ رکھنے کے ہیں۔اس طرح کے خیالات رکھنے والی دنیا میں ''وید سبھی کے لیے ہے'' کا نعرہ لگانے والے ''رامانج'' (Ramanjum) کی شخصیت بھی انقلابی تھی۔

حضرت مسیحؑ کی شخصیت بھی ان کے اپنے دَور کی جاہلانہ رسوم کے خلاف آواز اُٹھانے والی انقلابی شخصیت تھی۔اس طرح اگر ہم تاریخِ مذاہب کا مطالعہ کریں تو ہم پائیں گے کہ اس کی اہم شخصیات رجعت پسند نہیں بلکہ انقلابی رہی ہیں۔

میں یہ بات بہ بانگِ دُہل کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ ان انقلابی شخصیتوں میں سب سے عظیم شخصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔حضرت محمدؐ کے علاوہ دیگر شخصیتوں[1] نے دانش اور حکمت کو کسی نہ کسی کی صحبت سے حاصل کیا ہے۔پھر ان کے والدین یا ان کا خاندان ان کی تربیت کا ایک ذریعہ رہا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اس سے بالکل مختلف ہیں۔آپؐ کی پیدائش سے پہلے آپؐ کے والد محترم عبداللہ وفات پاگئے۔باپ کا چہرہ جن لوگوں نے نہ دیکھا ہو

---

(۲)انبیاء کے علاوہ (مترجم)

وہ نبی کریمؐ کی محرومیوں اور مشکلات کا اندازہ بہ خوبی کر سکتے ہیں۔

یہ محرومیاں ابھی ختم نہیں ہوئیں۔ آں حضرتؐ ابھی چھ ہی سال کے تھے کہ شفیق ماں کے سایہ سے بھی محروم ہو گئے۔ آپؐ اپنی ماں اور اُم ایمن کے ساتھ یثرب کی طرف جا رہے تھے جہاں آپؐ کے والد کی قبر تھی، راستے ہی میں والدہ کا انتقال ہو گیا۔

باپ کا چہرہ نہ دیکھا۔ ہم عمری اور سفر کی حالت میں ماں کی جدائی کا صدمہ بھی سہنا پڑا۔ اس یتیم بچے کو سہارا دینے کے لیے دادا عبد المطلب آگے آئے۔ لیکن دو سال بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ وہ بھی چل بسے۔

باپ، پھر ماں اور پھر دادا کی شفقتوں سے محروم! اور یہ سب محرومیاں آٹھ ہی سال کے اندر!! اب نبی کریمؐ تن تنہا کھڑے تھے۔!!!

دنیائے انسانیت کو اللہ کی رحمت سے ہم کنار کرنے والے نبی محترمؐ کی ذات بے سہارا تنہا کھڑی نظر آتی ہے۔

اس مرحلے میں آپؐ کے چچا ابو طالب نے آپؐ کا ساتھ دیا۔ لیکن ماں باپ سے محروم شخص کی تکلیفوں کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنے والدین سے محروم ہوں۔

اس طرح محرومیوں سے دوچار ایک یتیم کے ہاتھ سے اسلام جیسی عظیم دولت دنیا کو ملی۔ کس طرح اس یتیم کی دعوت اسپین سے چین تک ـــــ دنیا کے اِس کنارے سے اُس کنارے تک پھیلی! یہ ایک حیرت ناک حقیقت ہے۔ نبی کی معصوم اور ہر قسم کے عیب سے پاک زندگی ہی اسلام کی اس وسیع ترین اشاعت کا خاص سبب ہے۔ بجا طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ حضرت محمدؐ کی ذاتِ گرامی انسانیت کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

اُجرت پر مویشیوں کو چرانے والا شہنشاہ

نبی کریمؐ کی زندگی بچپن سے لے کر آخرت تک ایک بہترین نمونہ ہے۔

کتنے ہی قائدین اور کتنے ہی مذہبی رہنما ایسے ہیں، جن کی ابتدائی زندگی غلط راہوں میں بھٹکی ہوئی نظر آتی ہے، لیکن سِنِ شعور سے لے کر آخر تک نبیؐ کی زندگی پاک صاف ہے۔ اس میں کوئی ایک دھبّہ، کوئی ایک عیب نہیں۔

آپؐ اپنے چچا ابو طالب کے زیرِ سایہ تھے۔ ابو طالب کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس لیے ان کے معاشی بوجھ کو کم کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے اجرت پر مویشیوں کے چرانے کا کام بھی کیا۔

- میرے حضور!
- سارے عالم کو سیدھی راہ دکھانے کے لیے خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے قائد۔
- عربوں کو حکمت و شعور کی دولت سے مالا مال کرنے والے۔
- روم کی عظیم طاقت کو شکستِ فاش دینے والے آقا!
- حکمت، عمل اور دنیا کے سارے ہی خزانوں کو اسلام کے پیرووں پر نثار کر دینے والے عظیم قائد!
- شاہوں کے شہنشاہ!

کم عمری میں آپؐ نے اُجرت پر مویشی بھی چرائے۔ کتنے مصائب و مشکلات کے آپؐ شکار ہوئے ـــــ اس تصور ہی سے ہماری آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔

اِس خلقِ عظیم سے متصف شخصیت کی قیادت مسلمانوں کو حاصل ہے۔ یقیناً مسلمان قابلِ رشک اور خوش قسمت ہیں۔

آپؐ نے بکریاں بھی چرائیں۔ اپنے چچا کے ساتھ ۱۲ سال کی چھوٹی عمر میں تجارت کے لیے وطن سے دور سفر بھی کیا۔

اپنے خاندان والوں کے مال کے ساتھ ساتھ ضعیف اور مجبور خواتین کا مال بھی لے گئے تا کہ ان کو بھی کچھ آمدنی ہو سکے۔ آپؐ مجبوروں اور ضعیفوں کا ہر وقت خیال رکھتے تھے۔

''میں بازار جا رہا ہوں۔ کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے جو میں لے آؤں؟''

یہ درخواست اپنے قرب وجوار کے مجبوروں سے خود آگے بڑھ کر آپؐ کرتے تھے۔ جو چیزیں وہ منگاتے، ان کو لا کر دیتے تھے۔

اسی طرح مجبوروں اور مظلوموں کی مدد کے لیے ''حلف الفضول'' نامی انجمن قائم ہوئی تو آپؐ نے بھی اس میں حصہ لیا اور اس سے بھرپور تعاون کیا۔

آپؐ کی زندگی سچائی کا نمونہ ہے۔ آپؐ نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک صاحب یہ کہہ کر چلے گئے کہ ''آپؐ یہیں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔'' نبی کریمؐ اسی جگہ کھڑے رہے۔ ایک دن نہیں، دو دن نہیں، تین دن۔ نبی کریمؐ وہیں کھڑے رہے۔

جو صاحب رخصت ہوئے تھے، ان کے ذہن سے یہ بات نکل گئی تھی کہ وہ نبی کریمؐ کو وہاں روک کر آئے ہیں۔ تیسرے دن اتفاقیہ ادھر سے ان کا گزر ہوا تو نبی کریمؐ کو وہاں پایا۔ شرمندگی سے انھوں نے دریافت کیا: ''کیا آپؐ یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں؟'' رسول اللہؐ نے ذرّہ برابر خفگی کے بغیر انھیں نہایت نرمی کے ساتھ کہا۔ ''آپ ہی نے تو مجھے یہاں ٹھیرے رہنے کو کہا تھا۔''

ایسی ہی صفاتِ عالیہ کے باعث آپؐ کو ''امین'' اور ''صادق'' کے القاب سے لوگ پکارا کرتے تھے۔

ایسے بلند صفات انسان کو حضرت خدیجہؓ نے اپنے رفیقِ حیات کے طور پر منتخب کیا۔ یہ واقعی حضرت خدیجہؓ کی خوش قسمتی تھی۔

اس سے پہلے حضرت خدیجہؓ دو دفعہ بیوگی کا غم سہہ چکی تھیں۔ وہ نبی کریمؐ سے پندرہ سال عمر میں بڑی تھیں۔ 'طاہرہ' ان کا لقب تھا۔

حضرت خدیجہؓ کے بطن سے قاسم، عبداللہ (طاہر) زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ ــــــ آپؐ کے کئی بچے پیدا ہوئے۔ قاسم اور عبداللہ کم سنی ہی میں فوت ہو گئے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد نبی کریمؐ کو کچھ معاشی آسودگی میسر ہوئی تو نبیؐ رحمت کی ساری سوچ بچار انسانیت کی اصلاح میں لگ گئی۔

خاندانی ذمے داریوں کو پورا کرتے ہوئے دین کی طرف دعوت اور اس کی اقامت کی ذمے داریوں کو پورا کرنا ہمیں اس عظیم نبیؐ ہی کی زندگی میں نظر آتا ہے!

گوتم بدھ رہبانیت کو اختیار کیے ہوئے تھے۔

شنکر اچاریہ نے شادی نہیں کی تھی۔

حضرت مسیحؑ غیر شادی شدہ تھے۔

بہت سے مذاہب کے قائدین برہم چاری، غیر شادی شدہ اور راہب ہی نظر آتے ہیں۔

لیکن نبی کریمؐ اپنی خانگی ذمہ داریوں کو بھی پورا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور دین کی اقامت کی ساری ذمہ داریوں کو بھی اپنے کاندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں۔

صرف ایک ہی بیوی نہیں ــــ کئی بیویوں کی ذمہ داریاں بھی آپؐ کے سر ہیں۔ اتنے سارے بوجھ کے باوجود آپؐ کی عائلی زندگی بھی مثالی ہے اور آپؐ کی سماجی زندگی بھی مثالی۔

لوگوں نے آپؐ کو الامین اور الصادق کہا لیکن جب آپؐ نے دین کی طرف دعوت دی تو وہی لوگ آپؐ کے بدترین مخالف بن گئے۔

مذاہب کی تاریخ میں کتنے ہی انقلابیوں نے دعوت دی لیکن کسی کی اتنی شدید مخالفت نہیں کی گئی جتنی آپؐ کی! اتنی شدت کی مخالفت اُٹھنے کے لیے آپؐ کی دعوت میں آخر کیا بات تھی۔

غیر تجسیمی عبادت

دنیا کے کسی انقلابی نے وہ بات نہیں کہی جو نبیؐ نے کہی ہے۔ مجسمہ، روپ، تصویر کوئی بھی چیز نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تعلیم آں حضور ﷺ نے چودہ سو سال پہلے دی۔ مجسمے اور تصویریں نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ یہ کہا تو جا سکتا ہے لیکن ایک قدم اس سے آگے بڑھ کر آپؐ نے بتوں کو توڑا اور تصویروں کو مٹایا۔ آپؐ نے تعلیم ہی نہیں دی بلکہ اس پر عمل کر کے دکھایا۔

یہاں ہم تمل ناڈو میں ای وی آر (EVR) کو ایک عظیم انقلابی انسان مانتے ہیں اس لیے کہ انھوں نے بتوں کی پوجا کی مذمت ہی نہیں کی بلکہ عملاً انھوں نے بتوں کو توڑا بھی۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے صدیوں پہلے یہ کارنامہ انجام دیا۔ قرآن کریم کی آیت جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝ (سچ آ گیا، باطل مٹ گیا باطل مٹنے کے لیے ہی ہوتا ہے) تلاوت کرتے ہوئے خانۂ کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں کو آں حضرتؐ نے ہٹا دیا۔

مسلمانوں کی سب سے بڑی عید ''عید الاضحیٰ'' ہے۔ یہ عید کس کی یاد میں منائی جاتی ہے اور اس نے کیا کیا تھا؟

حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزند سعادت مند اسمٰعیلؑ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کو آگے بڑھے اسی کی یاد میں یہ عید منائی جاتی ہے۔

ہاں! ان بزرگوں کی تصاویر بھی کعبہ میں رکھی ہوئی تھیں۔

عید منانے کا تو حضرت محمدؐ نے حکم دیا۔ اس طرح ان شخصیتوں کے احترام کو تا قیامت زندہ جاوید بنا دیا لیکن بتوں کے ساتھ ساتھ ان کی تصویروں کو بھی آپؐ نے کعبۃ اللہ سے ہٹا دیا۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر کسی انقلابی اقدام کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

پھر یہ اقدام کس ملک میں کیا گیا؟ اس ملک میں کیا گیا جہاں جہالت و بت پرستی لوگوں کی رگ و پے میں سرایت کی ہوئی تھی۔

روس میں کمیونزم کی حکمرانی ہے، خدا کا انکار ہے۔ لیکن وہاں دیوی دیوتاؤں کے بتوں کو ہٹانے یا مٹانے کی کسی میں جرأت نہیں۔

یہاں تمل ناڈو میں بعض انقلابی شاعروں نے یہ گیت گایا کہ وہ صبح کب آئے گی جب یہ یہاں کے بتوں کو توڑ دیا جائے گا۔ لیکن یہاں کی گلی گلی کوچے کوچے میں ہم آج بھی بتوں کو پوجتے ہیں۔

مگر ۱۴ سو سال پہلے جاہلیت کے بتوں کو کعبہ سے ہٹایا گیا۔ یہ تاریخِ انسانی میں بہت ہی جرأت مندانہ اقدام تھا۔

اپنے ہی وطن میں اپنے ہی آباواجداد کے پوجے ہوئے بتوں کو ہٹانا اور مٹانا غیر معمولی جرأت کا کام ہے۔ اور ایسا انقلابی کارنامہ تاریخِ انسانی میں نبی ﷺ کے ہاتھوں انجام پایا ہے۔

آج انسان ترقی پسندی کے بڑے بڑے دعوے کرتا ہے۔ خدا کے انکار کو، الحاد کو اپنی ترقی پسندی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن وہ بتوں اور تصویروں کی محبت میں آج بھی گرفتار ہے۔

یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ یہ ترقی پسند حضرات خدا کا تو انکار کرتے ہیں اور آگے بڑھے تو دیوی دیوتاؤں کے بتوں کو بھی لغو قرار دیتے ہیں لیکن خود اپنے قائدین کے مجسمے بناتے اور ان کے آگے سر جھکاتے ہیں۔

وہ دیوتاؤں کی تصویروں کو ہٹاتے ہیں لیکن اس کی جگہ اپنی تصویریں لگا لیتے ہیں۔ مجسموں یا تصویریں ـــــ دونوں ہی انسان کی کمزوری کا مظہر ہیں۔

اس کمزوری سے باخبر کرنے والے اور اس سے انسان کو بچانے والے نبی کریمؐ ہیں۔ اور وہ یہ کارنامہ چودہ سو سال پہلے انجام دے چکے ہیں۔

آج مجسموں اور تصاویر کا سہارا لیے بغیر صرف علم و عقائد کی بنیاد پر اگر کوئی تحریک چل رہی ہے تو وہ اسلام کی تحریک ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجسمہ سازی اور تصویر سازی نہ ہو تو انسان کا جمالیاتی ذوق ختم ہو جائے گا لیکن ان چیزوں سے پاک اور مبرا مسلمانوں نے دنیا کو حسین سے حسین عمارتوں کا تحفہ دیا ہے۔

تخیل کو تصویر اور مجسمہ کی قید سے نجات دلانے کے بعد مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دیے ان کی تفصیل یہ ہے:

۱-فنِ ریاضی میں موجودہ ہندسوں کی تخلیق کی گئی۔

۲-جبر و مقابلہ یعنی الجبرا وجود میں آیا اور اس کا ارتقا ہوا۔

۳-فنِ تعمیرات میں حسین سے حسین عمارتیں اور مسجدیں تعمیر کی گئیں۔

۴-علم کیمیا میں سلور نائٹریٹ (Silvernitrate) اور سلفیورک کی دریافت ہوئی۔

فنِ طب میں:

۵- الف : الفارابی کی کتاب فن جراحت۔

ب : ابن سینا کی ــــ القانون

ج : علی بن عباسی کی ''کتاب المالکی'' جیسی اساسی کتابیں لکھی گئیں۔

۶-شاعری میں:

دورِ متنبّیؔ سے لے کر اقبال تک حسین اور اچھوتے تخیلات کا ایک سمندر موجزن ہے۔

ادب میں:

الف لیلہ، لیلیٰ مجنوں، امدذوالجمہ جیسے خزانے نوعِ انسانی کو ملے۔

کوئی پوچھ سکتا ہے کہ کیا دوسری قوموں نے ایسے قابلِ فخر کارنامے انجام نہیں دیے ہیں؟ جواباً یہی کہنا پڑتا ہے کہ ''اتنی کثرت سے نہیں۔''

پھر ایک اور امتیازی صفت یہ کہ ان تعلیمات کو لے کر اُٹھنے والی قوم ایسے صحرا سے نکلی جہاں تپتی ہوئی دھوپ تھی اور فطرت کے حسینِ مناظر کا فقدان تھا اس کے باوجود یہ قوم جمالیات کا اتنا کچھ ذوق دنیا کو دے گئی۔

ہاں! ایک اُمی کی تعلیم نے یہ سب کچھ کیا اور دنیائے انسانیت کو عظمت کی رفعتوں تک پہنچا دیا۔

میں اسلام سے کیوں عشق رکھتا ہوں ــــ اس کے مزید کچھ اسباب آگے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

اسلام ___ جس سے مجھے عشق ہے

معجزات کے بغیر

معجزات کے بغیر سب سے بڑا معجزہ دکھانے والے نبی!

مذہبی قائدین پر عام لوگ آسانی سے اعتماد نہیں کرتے۔ بہت سارے قائدین عجائب اور خرقِ عادت چیزوں کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان کے عجائبات کو دیکھ کر عام انسانوں کا عجوبہ پسند ذہن ان پر اعتماد کرنے لگتا ہے۔

خدا پر ایمان بھی بہت سے مذاہب میں اسی عجوبہ پسندی کی بنیاد پر قائم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان اس بات کو نہ مانے کہ نیک انسان کے لیے حیاتِ جاوداں اور غلط کار لوگوں کے لیے ابدی خسران مقدر ہے۔ تب تک ممکن نہیں کہ انسان نیکی اور پاکیزگی کی زندگی اختیار کرنے کے لیے عزم بالجزم کے ساتھ آگے بڑھ سکے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اور ان باتوں کو ذہن نشین کرانے کے لیے ہمیں پرانوں میں، ویدمیں، عہد نامہ عتیق وعہد نامہ جدید میں مذہب کی طرف دعوت دینے والے قسم قسم کے مافوق الفطرت طریقے اختیار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ایسے عجائبات سے ہٹ کر پاکیزہ اور گہری زندگی اگر کسی کی نظر آتی ہے تو وہ نبی کریمؐ کی زندگی ہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ جب معجزات کا مطالبہ آپؐ سے کیا گیا تو اس کے جواب میں آپؐ نے قرآنِ مجید کو پیش کر دیا۔ ظاہری معجزات سے بے نیاز ہو کر علم وحکمت کی طرف دعوت دینے والی انقلابی شخصیت نبی کریم ﷺ کی ہے۔

ایک اور پہلو سے آں حضورؐ کی زندگی کو دیکھیے ۔ آپؐ مذہبی رہنما ہیں اور ساتھ ہی میدانِ جہاد کے قائد ہیں۔

پند و نصیحت کرنے والے ناصح بھی اور ایک مدبر، حاکم و رہنما بھی ہیں۔ ان دونوں حیثیتوں کا آپؐ کی ذاتِ گرامی میں حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

بدر کا میدانِ کارزار ہو یا بنو قینقاع کا محاصرہ ہو، غزوۃ السویق ہو یا غزوۂ احد، غزوۂ تبوک ہو یا غزوۂ خیبر، ہر جگہ میدانِ کارزار میں آپؐ ایک فہیم و جری جنرل کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔

مذہبی قائد اور ساتھ ہی فوج کے سپہ سالار! یہ دونوں خوبیاں بیک وقت اگر پائی جاتی ہیں تو آپ کی زندگی میں۔!

جہاد اور فنِ حرب میں آپؐ ماہر نظر آتے ہیں۔ آپؐ نے ایمان وعقائد کے بل پر جو جرأت اپنے ساتھیوں میں پیدا کی وہ تاریخ کا ایک شاندار کارنامہ ہے۔

آپؐ نے جنگ نہ تو ملکوں کو فتح کرنے کی ہوس میں کی اور نہ حریفوں کو نیچا دکھانے کے جذبے سے۔ محض حق کی سربلندی آپؐ کے پیشِ نظر تھی اور اسی لیے اس کو جہاد سے موسوم کیا گیا اور اس جہاد میں اپنی جان کو جانِ آفریں کے حوالے کرنے والے بہادروں کا نام شہید رکھا گیا۔ شہید کے معنی ہوتے ہیں اپنی جان قربان کر کے حق کی گواہی دینے والے۔

میدانِ جنگ میں گھبرانا، تیروں کی بوچھار سے ڈر کر راہِ فرار اختیار کرنا دوزخ میں جانے کا موجب ہے۔

یہ تھی آں حضورؐ کی عظیم تعلیم جہاد کے بارے میں! اسی کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کے صحابہؓ بے باکی اور جرأت مندی سے دعوتِ حق کو لے کر اسپین سے چین تک پھیل گئے۔

نبیٔ کریمؐ کے بتائے ہوئے طریقے سے جب مسلمان دور ہوئے تو اسی وقت ان کا زوال شروع ہوا۔ اس سے پہلے انھوں نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا تھا۔

آپؐ کے زمانے میں سلطنتِ روم ایک عظیم طاقت تھی لیکن آں حضورؐ کی بے باکی اور غیر متزلزل یقین کے سامنے روم کی طاقت ٹھیر نہ سکی۔ ہاں! یہی وہ محمد ﷺ ہیں جو صحرا میں پیدا ہو کر پلنے والے ایک غریب انسان تھے اور پھر انسانیت کے عظیم قائد ثابت ہوئے۔

جنگی ساز و سامان میں آپؐ کو چمڑے کی لگام تک میسر نہ تھی، مجبوراً کپڑوں سے بنی ہوئی لگام جنگی گھوڑوں کو لگائی جا رہی تھیں۔

ایک طرف جنگی ساز و سامان کا یہ فقدان! دوسری طرف عظیم رومن امپائر ہر قسم کے فوجی ساز و سامان سے مسلح! کیا مقابلہ تھا دونوں کا!

لیکن اپنے اصولوں پر یقین رکھنے والے نبی اور ان کے اصحاب نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ ایک طرف آپؐ دنیا کو تج دینے والے راہبوں سے بھی زیادہ بے لوث اور سادہ مزاج تھے، دوسری طرف عرب اور اس کے قرب و جوار کے کامیاب حکمراں۔ اس کے باوجود آپؐ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ آپؐ معمولی مکان میں رہتے تھے۔ آپؐ کی زندگی کا معیار وہ نہ تھا جو رؤسا و امرا کی زندگی کا ہوتا ہے۔

آپؐ کی غذا بھی معمولی تھی۔ آپؐ کو فاقہ تک کی نوبت آ جاتی تھی، جسے یاد کر کے ہماری آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں ـــــ یہ ساری خوبیاں درحقیقت دین ہیں اسلام کی، جس کے آپؐ سچے حامل اور داعی تھے۔ اسی لیے اسلام سے مجھے عشق ہے۔

کیا حضرت مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں؟

ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجسموں کو توڑنے اور تصاویر کو ہٹانے کا ایک عظیم انقلابی کام انجام دیا۔ تاریخِ انسانی کا ایک اور عظیم انقلاب آپؐ کے ہاتھوں رونما ہوا ہے۔

باپ، بیٹا، روح القدس کی تثلیث عیسائیوں کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔

گنہگاروں کو نجات دلانے اور انسانی گناہوں کی سزا خود بھگتنے کے لیے سولی پر چڑھ کر حضرت مسیحؑ نے جان دی۔ پھر تیسرے روز زندہ ہو کر باپ کے بائیں طرف مسند نشین ہوئے۔ یہ ہے عیسائی حضرات کا عقیدہ۔

۱۔حضرت مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں۔ ۲۔وہ مرنے کے بعد زندہ ہو اُٹھے۔

مندرجہ بالا ان دو باتوں کو نہ ماننے والے لوگ عیسائی نہیں ہو سکتے۔ یہ دونوں عقیدے عیسائی دنیا پر چھائے ہوئے تھے کہ نبی کریمؐ کی بعثت ہوئی۔ آپؐ نے ان دونوں عقیدوں کو باطل قرار دیا۔ آپؐ نے بتلایا:

حضرت مسیحؑ خدا کے بیٹے نہیں خدا کے نبی تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے۔ انھیں گرفتار کرنے کے لیے جب ایک گروہ ان کے کمرے میں داخل ہوا تو انھی میں کا ایک شخص انھی کا ہم شکل نظر آنے لگا۔ اسی ہم شکل انسان کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

''فی الواقع انھوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔'' (النساء:۱۵۷)

بائبل میں جن انبیاء کا ذکر ملتا ہے ان سبھی انبیاء کا ذکر قرآن میں بھی ہوا ہے۔ مثلاً حضرت آدمؑ، ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، اسمٰعیلؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، یونسؑ، الیاسؑ، زکریاؑ وغیرہ وغیرہ۔ انھی نبیوں کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کا نام بھی لیا گیا ہے۔ قرآن میں صاف طور پر واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک نبی تھے۔ ان میں الوہیت کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ عیسائیوں اور مسلمانوں میں کیا اختلافات ہیں۔ یہ مسئلہ یہاں زیرِ بحث نہیں ہے۔ میں جس زاویے سے مسئلے کو دیکھ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ جس مذہب کا اس وقت غلغلہ تھا، جو اس وقت ایک عظیم طاقت کی حیثیت سے دنیا میں موجود تھا، اس کے غلط عقیدے کے خلاف نبی کریمؐ نے کسی لاگ لپیٹ کے بغیر آواز اُٹھائی لیکن اس جدوجہد میں حضرت عیسیٰؑ کے احترام یا عزت میں کوئی کمی نہ آنے دی۔

حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ روح القدس سے مضبوط کیے گئے تھے۔ ان کے ذریعے آپؑ کو انجیل عطا کی گئی۔ ان دونوں حقیقتوں کو الکتاب (قرآن حکیم) نے بہت ہی صاف الفاظ میں پورے فخر اور احترام کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بالکل اسی طرح دیگر مذاہب کی غلط باتوں کا تو قرآن انکار کرتا ہے لیکن ان کی مذہبی شخصیتوں کا احترام کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

غلط باتوں کی تردید۔

شخصیتوں کا احترام۔

ان دو باتوں کو اسلام نے گڈمڈ نہیں کیا ہے بلکہ واضح الفاظ میں ان دونوں باتوں کی تعلیم فرمائی ہے۔

ایمرجنسی کے زمانے میں میسا کے تحت مجھے بھی جیل میں ڈال دیا گیا تھا! اس وقت مجھے دنیا کے مختلف مذاہب کے صحیفوں کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

میرے رشتے داروں نے دوستوں اور احباب نے اور بعض مسلم دوستوں نے ان مقدس کتابوں کو مجھ تک پہنچایا۔

ان سارے صحیفوں کے مطالعے میں، جس کتاب سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا اور جو مجھے اپنی نظروں میں سب سے زیادہ جچی وہ کتابِ پاک قرآن مجید ہے۔

قرآنِ کریم کی امتیازی صِفات

مذہبی کتابیں مختلف نوعیت کی پائی جاتی ہیں۔ ان میں ہر ایک کی جداگانہ خصوصیت ہے۔
ہندو مذہب کی سب سے مقدس کتاب وید ہیں۔ وید مُنیوں اور رِشیوں کے خدا کی شان میں گائے ہوئے گیتوں کا مجموعہ ہیں۔
عیسائیوں کی انجیلیں اور یہودیوں کی توراۃ کے اجزا درحقیقت انسانوں کے ہاتھوں لکھی ہوئی انبیاء کی تاریخ اور سوانح ہیں۔
اسی طرح جتنی مذہبی کتابیں نظر آتی ہیں، وہ یا تو بعض بزرگ شخصیتوں کے خدا کی شان میں گائے ہوئے گیت ہیں یا انسانوں کا لکھا ہوا نبیوں یا بزرگوں کے حالات کا مجموعہ ہیں۔
اس کے برعکس قرآن مجید کی امتیازی شان یہ ہے کہ یہ نبی کریمؐ کے ہاتھوں لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے اور نہ یہ خدا کی شان میں گائے ہوئے انسانوں کے گیتوں کا کوئی مجموعہ ہی ہے۔ اس کی حیثیت محض کسی تاریخ کی بھی نہیں ہے بلکہ

- اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں جو قابلِ تکریم کتاب رکھی ہے وہی قرآنِ کریم ہے۔
- لوحِ محفوظ کی اُس کتاب سے جلیل القدر فرشتے حضرت جبرئیلؑ نے اِس کو وقتاً فوقتاً نبی کریمؐ پر اللہ کی طرف سے پہنچایا۔

یہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ قرآنِ کریم لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے بلکہ نازل کردہ کتاب ہے۔ مسلمان اس پر غیر متزلزل یقین رکھتے ہیں۔
اس کتاب کی بہت سی امتیازی صفات ہیں۔ اس کے الفاظ کے صوتی آہنگ سے میں

مسرور ہوا ہوں۔ کیا آواز کو کسی قسم کا تقدس حاصل ہے؟ میں کہوں گا کہ ہاں ہے۔ آواز ہی دنیا کی بنیاد ہے۔

وید کہتا ہے کہ ''اوم'' کی آواز سے دنیا کی تخلیق ہوئی۔

بائبل کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے خدا کا کلمہ تھا۔ پھر یہ دنیا ہوئی۔

قرآن کریم کی آواز جہاں ایک بہترین نثر کی آواز ہے وہیں وہ اپنے اندر ایک بہترین شعر کا آہنگ لیے ہوئے ہے۔ ایک بہترین منظر کا حسن بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ نثر اور نظم و شعر کی نغماتی کائنات کا حسن، انھی چیزوں کا مجموعہ ہے قرآن مجید کی آواز۔

'کیا یہ کلام اتنا حسین ہے کہ اس کے مثل کوئی کلام ممکن نہیں؟' یہ سوال آج بھی کیا جا سکتا ہے اور اس دَور میں بھی اُٹھایا گیا تھا جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔ قرآن نے اس سوال کا جواب اسی وقت دے دیا تھا کہ اگر ہو سکے تو اس جیسا کلام لے آؤ۔

اس چیلنج کا جواب دینے سے دنیا آج تک قاصر ہے۔ اس کی کوشش جس نے بھی کی اس نے منہ کی کھائی۔

قرآن کہتا ہے: 'اے نبی ہم نے تمھیں کوثر عطا کر دیا بس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔' (الکوثر:۱-۳)

اس طرح حسن و حکمت سے لبریز اس کتاب کی آیات ہیں۔ اس کے مقابلے میں ماہر عربی شعرا نے اُسی دور میں کوشش کی اور اپنی شکستِ فاش کا اعتراف اِن الفاظ میں کیا:

'مَا هٰـذَا كَلَامُ الْبَشَرِ' یہ انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔

قرآن نے چیلنج کیا، کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے۔ چاہے وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ہی کیوں نہ کریں۔ (بنی اسرائیل:۸۸)

قرآن مجید ہی میں اس کے درج ذیل نام ہم کو ملتے ہیں۔ یہ سب نام اہمیت کے حامل ہیں اور بڑی حقیقتوں کے مظہر ہیں:

اَلْكِتَابُ	کتاب
حَبْلُ اللّٰهِ	اللہ کی رسی

اَلْبَیَانُ	کھول کھول کر بیان کرنے والی
اَلْبُرْھَانُ	واضح دلیل
اَلْمُھَیْمِنُ	حفاظت کرنے والی
اَلْمُبَارَکُ	برکت والی
اَلْمُصَدِّقُ	تصدیق کرنے والی
اَلذِّکْرٰی	نصیحت کرنے والی
اَلنُّوْرُ	روشنی
اَلْبَصَائِرُ	بصیرت عطا کرنے والی
اَلْھُدٰی	سیدھی راہ دکھانے والی
اَلرَّحْمَۃُ	رحمت
اَلشِّفَاءُ	شفا دینے والی
اَلْمَوْعِظَۃُ	نصیحت کرنے والی
اَلْحکَمُ	حکم کرنے والی، حکم دینے والی
اَلْمُبِیْنُ	واضح، صاف صاف
اَلْعَرَبِی	عربی زبان میں
اَلْحِکْمَۃُ	عقل و دانش سے بھری ہوئی
اَلْحَقُّ	سچی
اَلْقَیِّمُ	مضبوط
اَلْفُرْقَانُ	(حق و باطل میں) فرق کرنے والی
اَلتَّنْزِیْلُ	اترنے والی (اتاری ہوئی)
اَلْحَکِیْمُ	حکمت والی
اَلذِّکْرُ	یاددہانی کرنے والی
اَلْبَشِیْرُ	بشارت دینے والی
اَلنَّذِیْرُ	ڈرانے والی

اَلْعَزِیْزُ	طاقت والی
اَلرُّوْحُ	روح والی، جاندار
اَلْمَجِیْدُ	عزت والی
اَلْکَرِیْمُ	بزرگ
اَلْمُکَرَّمَةُ	احترام والی
اَلْعَجِیْبُ	عجائب سے بھری ہوئی
اَلْمَرْفُوْعَةُ	بلند، اُٹھائی ہوئی
اَلْمُطَهَّرَةُ	پاکیزہ، پاکی والی
اَلنِّعْمَةُ	نعمت

اس کے علاوہ قرآن کے معنی ہیں پڑھی جانے والی۔

ہاں یہی کتاب پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب۔

نبی اُمّی

منزّل من اللہ کتاب کو سب سے پہلے پڑھنے والی شخصیت اُمی تھی۔ یعنی وہ پڑھی لکھی نہ تھی۔

اُمی کے معنی بے شعور اور بے عقل کے نہیں ہیں۔ لکھنا پڑھنا نہ جاننے کے باوجود قوی الحافظہ شخصیتوں کو اُمی کہا جاتا ہے۔

تمل ادب میں یہ روایات مشہور ہیں کہ شعر کو ایک دفعہ سن کر دہرانے والوں کی، دو دفعہ سن کر دہرانے والوں کی، تین مرتبہ سن کر دہرانے والوں کی، چار مرتبہ سن کر دُہرانے والوں کی، ان سب کی حسبِ مراتب تعریف کی جاتی ہے۔ لیکن عرب میں سینکڑوں اشعار کو حافظہ سے فرفر سنانے والے اُمی تھے۔

شاعری میں ہی نہیں بلکہ فنِ ریاضی میں بھی بعض افراد ایسے قوی حافظہ کے ملتے ہیں کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ ۲۱۴ کو ۳۱۴ سے ضرب دیجیے تو پڑھے لکھے لوگ کافی وقت کے بعد اس کا حل نکالتے ہیں۔ مگر بعض قوی الحافظہ لوگ جو عام طور سے پڑھے لکھے نہیں ہوتے وہ فوری اس کا حل اپنے ذہن سے نکال لیتے ہیں۔ اسی طرح شجرۂ نسب وغیرہ کے تعلق سے بھی کئی نسلوں تک کے شجرۂ نسب فرفر سنانے والے اس وقت عربوں میں موجود تھے جو پڑھے لکھے نہیں تھے۔

اُمی کے معنی بے شعور کے نہیں ہیں۔ اگر یہ مفہوم لیا جائے تو نبی کریمؐ کی تجارت، ذہانت اور بہت سارے واقعات کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ آپؐ پڑھے لکھے نہیں تھے مگر بہت قوی حافظہ اور بہت اونچی ذہنیت کے مالک تھے۔

یہی امتیازی خصوصیت تھی کہ جب وحی آپؐ پر نازل ہوئی تو آپؐ نے صاف صاف وحی کے الفاظ کو من وعن محفوظ کر کے دہرادیا۔

نبی کریمؐ کو اللہ کی مدد حاصل تھی اور آپؐ کے صحابہؓ پر بھی اللہ کا خاص کرم تھا۔ آپؐ کی زبانِ مبارک سے وحی کے کلمات کو صحابہؓ نے سنا اور پھر ان کو ازبر کرلیا۔ مکمل قرآن مجید کو ازبر کیے ہوئے قارئین کو آج بھی جب ہم تلاوت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کی صلاحیت پر بھی رشک آتا ہے اور قرآن پاک کے اعجاز پر بھی حیرت ہوتی ہے۔ ہاں ایک اُمی ہی نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا اور عظیم صلاحیتوں کو اُبھارا۔

عربوں کو عام طور سے بے شعور، جاہل، جہالت میں ملوث، قتل و غارت گری کے خوگر، بے عقل اور بدسلیقہ کہا جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں غلط ہیں۔ ہزاروں سال قبل دنیا کے دوسرے خطوں میں بسنے والے انسانوں میں جو خوبیاں اور جو کمزوریاں تھیں وہی خوبیاں، وہی کمزوریاں عربوں میں بھی تھیں۔ لیکن عربوں کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر ان کا حافظہ حیرت انگیز تھا۔ دیگر ممالک کے لوگوں کا حافظہ ان کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ صرف تعلیم نہ ہونے سے جہالت نہیں آجاتی۔

عربوں سے بڑھ کر جاہلیت کا مظاہرہ کتنے ہی ملکوں میں ہوا ہے۔

قلعوں میں انسانوں کے سر تراش کر لٹکائے گئے۔

زندہ انسانوں کو دیوار میں چن دیا گیا۔

ہاتھیوں کے پاؤں تلے انھیں روندا گیا۔

صلیبوں میں چڑھا کر میخوں سے جڑا گیا۔ زندہ دفن کیا گیا۔ چونے میں دھنسایا گیا۔ بھوکے شیروں کے سامنے شکار کی طرح پھینکا گیا۔ روم سے لے کر تامل ناڈ تک یہ سارے ہی مناظر تاریخ کے صفحات میں ہمیں ملتے ہیں۔ کیا عربوں کی جہالت اس سے بڑھ کر تھی؟ لہٰذا یہ ایک انتہائی لغو الزام ہے، جو عربوں پر لگایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نبی کریمؐ کی دعوت پر عربوں نے مخالفت کی۔ انھیں تکلیفیں دیں۔ لیکن مدینہ کے بسنے والے بھی عرب ہی تھے، جنھوں نے آں حضورؐ کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ آپؐ پر جانیں نچھاور کیں۔ آپؐ کی قیادت میں مختلف محاذ پر اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر جنگیں کیں۔

خانۂ کعبہ میں رکھے ہوئے مجسموں کو ہٹانا اوران کی پرستش کو باطل قرار دینے کا انقلابی کام بھی نبی کریمؐ کی قیادت میں عربوں کے ہاتھوں ہی ہوا۔

یہ عظیم انقلاب چودہ سو سال پہلے اگر ہندوستان میں، چین میں یا کسی اور ملک میں لایا جاتا تو کیا وہاں کے عوام اس سلسلے میں اس سعادت مندی کا ثبوت دیتے، جس سعادت مندی کا ثبوت عربوں نے دیا ہے؟

اس زاویے سے جب ہم عربوں کو دیکھتے ہیں تو اُن کی عظمت ہم پر واضح ہوتی ہے۔ سرزمینِ عرب ریگستان ہے۔ ہاں اسی ریگستان میں یہ عظیم انقلاب آیا۔ اس حیثیت سے میں اس ملک کو اور وہاں کے باشندوں کو احترام وعقیدت کی نظروں سے دیکھتا ہوں۔ میرے ہزاروں سلام ہوں اُن پر۔

اس انقلاب کو برپا کرنے والی اس عظیم کتاب کی مزید چند خصوصیات اگلے صفحات میں دیکھیے۔

زندہ زبان میں زندہ مصحف

وید، بائبل اور دیگر مذاہب کے مصاحف اور قرآن شریف کے درمیان ایک عظیم فرق پایا جاتا ہے۔

ہندو مذہب کی بنیادی کتابیں چاروں وید ہیں اور ان ویدوں کی زبان سنسکرت ہے۔

سنسکرت کے معنی ہی نئی زبان اور نکھاری ہوئی زبان کے ہوتے ہیں۔

اگر یہ مانا جائے کہ وید آفرینش سے ہی انسانوں کو ملے ہیں، جیسا کہ کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اصل سنسکرت میں نہیں بلکہ سنسکرت سے پہلے کی زبان میں رہے ہوں گے۔

بعد میں آنے والی زبان میں جب وید لکھے گئے تو ظاہر ہے کہ اصل وید میں اور نئی زبان میں لکھے ہوئے ویدوں میں فرق فطری بات ہے۔

مگر قرآنِ پاک عربی زبان میں نازل ہوا اور بالکل اسی زبان میں سرِ موفرق کے بغیر آج بھی ہمارے سامنے ہے۔

یہودیوں کی توراۃ کو دیکھیے۔ اس کے نازل ہونے کے صدیوں بعد اسرائیلیوں نے اس کی تالیف کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ توراۃ حضرت موسیٰ پر عبرانی (Hebro) زبان میں نازل ہوئی تھی۔ سینکڑوں برس بعد اس کو لکھا گیا۔ پھر یہ لکھا ہوا مجموعہ ضائع ہوگیا۔ لاطینی اور یونانی زبان کے بائبل ہی باقی رہے۔ پھر اِن زبانوں میں توراۃ کے ترجمے سے اسرائیلیوں نے پھر عبرانی (Hebro) زبان میں منتقل کیا۔ اس طرح سے ترجمے سے اصل زبان میں منتقل کی جانے والی کتاب کا کیا حال

ہوگا۔اسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔بحرِ مردار (Dead Sea) کے قریب غار قمران میں جو عبرانی زبان میں لکھے ہوئے کاغذات (Scrolis) ملے ہیں وہ بھی صرف بائبل کے چند منتشر اجزا ہی ہیں۔یہ بائبل کی جدید ترین تحقیق ہے۔

اگر کوئی مصحف ترجموں سے بے نیاز اپنی نازل کردہ اصل زبان میں موجود ہے تو یہ امتیاز قرآن کریم ہی کو حاصل ہے۔

حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہونے والی کتاب سریانی کی ایک بولی ''آرامی'' زبان میں تھی۔ لیکن اس کو پہلے پہل یونانی زبان میں لکھا گیا۔ پھر یونان سے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ پھر مختلف زبانوں میں۔اس طرح بائبل اپنی اصل زبان میں موجود نہیں ہے بلکہ ترجمہ کی زبان ہی میں ہمارے پاس ہے۔

مگر قرآن کریم جس زبان میں نازل ہوا تھا اسی زبان میں آج بھی ہمارے سامنے ہے۔

قرآنِ کریم کی ایک اور امتیازی صفت پر غور کیجیے:

☆ ہندو مذہب کے وید اپنی اصل زبان کے بجائے سنسکرت میں لکھے گئے، لیکن سنسکرت بھی آج بول چال کی زبان نہیں ہے۔

☆ یہودیوں کی مذہبی کتاب کی زبان عبرانی بھی صدیوں تک بول چال کی زبان نہیں تھی۔ (اسرائیل نے اس زبان کو دوبارہ اپنے عوام پر مسلط کیا ہے)۔

☆ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی زبان 'آرامی' اور گوتم بدھ کی زبان 'پالی' دونوں آج بول چال کی زبان نہیں ہیں۔

جن جن زبانوں میں الہامی کتابوں کا نزول ہوا ہے وہ ساری ہی زبانیں آج مردہ ہوچکی ہیں۔اس کے برعکس قرآن اور قرآن ہی بول چال کی زندہ زبان میں زندہ کتاب کی حیثیت سے ہمارے سامنے ہے۔قرآن مجید کی ایک اور صفت پر غور کیجیے:

☆ چار وید،

☆ یہودیوں کی کتاب توریت،

☆ حضرت عیسیٰؑ کی انجیل،

☆ گوتم بدھ کا مصحف ''تمّابدم''

یہ سارے ہی مصحف جن ہستیوں کو ملے تھے ان ہستیوں کے انتقال کے عرصے بعد ان کی تالیف و ترتیب ہوئی۔ مگر قرآن اور صرف قرآن ہی وہ کتاب ہے، جس کو فوری طور پر ترتیب دے دیا گیا۔ اور جیسے جیسے وہ نازل ہوتا گیا ویسے ویسے اسے ترتیب دیا جاتا اور لکھا جاتا رہا۔

نبی کریم ﷺ اس کام کی نگرانی کرتے رہے اور اس سلسلے میں خصوصی توجہ فرماتے رہے۔ آپؐ کی وفات کے بعد ہی خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ نے پورے قرآن کو حضورؐ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق ایک جلد میں جمع کرا دیا۔ یہ کام انھوں نے قرآن پاک کی حفاظت کے پیشِ نظر ہی کیا۔ جب قرآن اُتر رہا تھا تو نبیؐ کے اصحاب اس کو جھلیوں اور پتّوں پر لکھتے اور نبی کریمؐ کو سناتے گئے۔ قرآن کے صحیح طور پر لکھے جانے کا پورا اہتمام کیا گیا۔

جیسے جیسے یہ کتاب نازل ہوتی گئی ویسے ویسے خاص اہتمام کے ساتھ اس کو ٹھیک ٹھیک لکھنے کا انتظام ہوتا رہا۔ اتنے اہتمام اور احتیاط سے لکھی جانے والی کتاب صرف قرآن مجید ہے۔

وہ کتاب جو کسی سے پوشیدہ نہیں رکھی گئی

قرآن پاک کی آیات ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہیں۔
وید میں خدا کی شان میں گائے ہوئے انسانوں کے گیت شامل ہیں۔
تورات میں بنی اسرائیل کی تاریخ اور انبیاء کی موعظتیں بھی داخل کردی گئی ہیں۔
انجیل میں تاریخ بھی ہے اور انبیاء اور مصلحین کے پند ونصائح بھی۔

مگر قرآن مجید وہ کتاب ہے، جس میں ساری کی ساری آیات من جانب اللہ ہیں۔ انسانوں کی اصلاح کے لیے، انسانوں کو غفلت سے بیدار کرنے کے لیے، انسانوں کی نصیحت کے لیے اس میں تاریخی واقعات بھی، انفس وآفاق کی طرف اشارات بھی اور حکمت ودانش سے لبریز نصائح بھی پائے جاتے ہیں مگر وہ سب خدا ہی کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ نبی کریمؐ یا کسی اور کی طرف سے اس میں کچھ بھی شامل نہیں کیا گیا ہے۔

نبی ﷺ کے اپنے اقوال واعمال اور مواعظ ونصائح کو الگ سے مرتب کیا گیا ہے۔ ان میں سے کسی چیز کو قرآن میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس طرح کسی قسم کی آمیزش کے بغیر خدا کے الفاظ کا مجموعہ ہی قرآن کریم ہے۔

دیگر مذاہب کی کتابیں کچھ مخصوص طبقات کے پڑھنے کے لیے ہی ہوتی ہیں مثلاً برہمن آچاریہ اور بھکشو وغیرہ۔

وید کے ایک معنی پوشیدہ رکھنے کی شے کے بھی ہوتے ہیں۔ یعنی جسے عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا چاہیے۔ خدا کے الفاظ خدا کے سب بندوں کے لیے ہوں۔ بلا کسی تفریق و

امتیاز کے سبھی خاص و عام کے لیے ہوں۔ سبھی کے پڑھنے کے لیے، سبھی کے حفظ کرنے کے لیے ہوں۔ یہ ہدایات صرف قرآن دیتا ہے۔ قرآن کے حافظ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں ہر ملک اور ہر زمانے میں پائے گئے ہیں۔ یہ امتیاز بھی صرف اسی کتاب (قرآن) کو حاصل ہے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انسانوں کو وید پڑھنے یا سننے پر سزا کا مستحق ٹھیرایا گیا ہے اور سزائیں بھی دی گئی ہیں۔

اس کے برعکس قرآن کی یہ خوبی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ یہ کلمات خدا کی طرف سے ہیں۔ ان کا سننا ہر ایک کے لیے ضروری اور باعثِ شرف ہے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تروکوتیو (Thrjokottjyu) کے مندر کے قریب وید پڑھنے کے جرم میں رامانج کو ایذائیں پہنچائی گئیں۔

قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ دوسروں کے لیے اس کا موقع فراہم کیا جائے کہ وہ اللہ کے کلام کو سنیں۔ شاید کہ انھیں ہدایت نصیب ہو۔

وید کی تشریح بیان کرنے والے آدمی شنکر کا ان کی ماں کی موت کے موقعے پر سماج نے بائیکاٹ کیا۔ دوسری طرف قرآن کو بلند آواز سے پڑھنے والے حضرت علیؓ کو باب العلم کے لقب سے نوازا گیا۔ اللہ کی کتاب اس کے بندوں کے لیے ہے اور انسانوں کو پڑھنا چاہیے۔ اس فریضے کی تعلیم تاکید کے ساتھ فقط اسلام ہی دیتا ہے۔

اس تعلیم اور تاکید کا اثر یہ ہوا کہ قرآن ضائع ہونے سے بچ گیا۔ آج مراکش سے لے کر عراق تک بیس کروڑ انسانوں کی بول چال کی زبان عربی ہے جو کہ قرآن کی زبان ہے۔

قرآن نے دنیا کے انسانوں کو بھی حیات کا پیغام دیا اور ساتھ ہی عربی زبان کو بھی زندہ و جاوید زبان بنا دیا۔

بعض الہامی کتابیں انسانی زندگی سے متعلق غیر ضروری تفصیلات پیش کرتی ہیں، جو کئی قسم کی پیچیدگیوں اور الجھنوں کا موجب بن جاتی ہیں۔ دوسری نوعیت کی مذہبی کتابیں ایسی ہیں کہ وہ انسان اور اس کے مسائل سے کوئی تعرض نہیں کرتیں، بلکہ فلسفوں کا محض ایک گورکھ دھندہ معلوم ہوتی ہیں۔ اول الذکر کتابیں انسانوں کو بلا وجہ غیر ضروری زنجیروں میں جکڑتی ہیں اور موخر الذکر کتابیں انسان کو بے لگام بنا دیتی ہیں۔ اس کے برعکس قرآن مجید کی اپنی ایک منفرد شان ہے۔ یہ کتاب

ایک طرف تو بنیادی عقائد ونظریات کی تعلیم دیتی ہے دوسری طرف یہ قوانین وضوابط اور حدودِ الٰہی سے باخبر کرتی ہے، جس سے تجاوز کرنے کی قطعی اجازت نہیں دیتی۔ عقائد ونظریات اور حدود کے تعین کے بعد انسانی فکر اور قوتِ عمل کو آزادی دیتی ہے کہ وہ قرآن کے مزاج سے ہم آہنگ ہو کر اپنا کام کرے۔ اس طرح بنیادی اصولوں کو پابندی کے ساتھ فروعی مسائل میں آزادیٔ فکر وعمل دینے والی واحد کتاب قرآن مجید ہے۔

''نبی کریمؐ سے بڑھ کر ہم نے معاملات میں مشورہ کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔'' اللہ کے رسولؐ کے ساتھیوں نے آں جنابؐ کی خدمتِ اقدس میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ وصفِ خاص نبی کریمؐ کو قرآن ہی کی برکت سے حاصل ہوا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عام مذاہب کی کتابیں حکمرانوں، جاگیرداروں اور طاقت وروں کے ہاتھوں کو مضبوط کر رہی ہیں اور کمزوروں پر مظالم ڈھانے میں معاون ثابت ہو رہی ہیں۔ لیکن قرآن کریم وہ 'الکتاب' ہے جو کمزوروں کو سہارا دیتی ہے اور ظالموں پر کڑی گرفت کرتی ہے۔ بلا مبالغہ قرآنِ حکیم کو انسانی آزادی کا چارٹر اور میگنا کارٹا (Magnacharta) قرار دیا جا سکتا ہے۔

نوعِ انسانی کا میگنا کارٹا

بالعموم مذہبی کتابیں دعویٰ تو یہ کرتی ہیں کہ وہ انسان کو خدا سے ملاتی ہیں لیکن عملاً دیکھا یہ گیا ہے کہ وہ انسانوں کو بادشاہوں، جاگیرداروں اور پجاریوں کے آگے جھکا دیتی ہیں اور عوام کے ہاتھوں کو زنجیروں سے جکڑنے اور ان کو بالکل مجبور بنا دینے کا کام بھی یہی کتابیں انجام دیتی ہیں۔

حکمرانوں کو خدا کا اوتار، نمائندہ اور ظلِّ الٰہی کے القاب سے نوازا گیا۔ بعض کتابوں میں تو صفحۂ قرطاس کی حد تک انسانی آزادی کی بات کہی گئی ہے لیکن عملی طور پر انسان کو انسانی غلامی سے نجات دِلانے میں وہ ناکام رہی ہیں۔ دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآنِ حکیم پکار پکار کر کہتا ہے کہ انسان کو انسان کی بندگی نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کو انسان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کو انسان کی پوجا نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کو دوسرے انسانوں کے آگے دستِ حاجت دراز نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن نے ان تعلیمات کو اس شدومد سے بیان کیا کہ اس کے ماننے والوں کی رگ و پے میں یہ خیالات خون بن کر دوڑنے لگے۔ اس طرح قرآن نے پرستش کا، بندگی کا اور اطاعت و استعانت کا مستحق صرف اللہ کی ذات کو قرار دیا ہے۔

اس تعلیم کو اپنانے سے کیا ہوتا ہے اور عملاً کیا ہوا؟ انسان پر سے انسان کی خدائی مٹا دی گئی۔ انسان کا انسان پر ظلم وطغیان کا سدِ باب ہوا۔ انسانی فکر وارتقا پر روک لگانے والی رُکاوٹوں کو پاش پاش کر دیا گیا۔

انسان کو مکمل آزادی حاصل ہوئی۔ ہر ایک خودی کی آنکھ کھلی۔ انسانی زندگی سے ظلمات کافور ہوئیں اور ایک نور کی مے سی پھوٹ بہی...

انسانی فکر کے گلستان میں بادِ صبا کے جھونکے آئے اور انسان خوشی و مسرت سے جھومنے

لگا۔ انسان پر سے انسان کی خدائی کو مکمل طور سے ختم کرنے کی عدیم المثال کامیابی جس کتاب کے حصے میں آئی اس کتاب کا نام ہے قرآن حکیم!

اس سے بڑھ کر حقوقِ انسانی کا منشور نوعِ انسانی نے کبھی نہیں دیکھا۔ میگنا کارٹا سے کہیں زیادہ، بہت عظیم، حقوقِ انسانی کا منشور اگر کوئی ہے تو یہ مصحف قرآن مجید ہے۔

اس منشور نے غلاموں کے ہاتھوں میں پڑی ہوئی زنجیروں کو توڑا۔ سارے ہی انسانوں کو ایک ہی صف میں مساویانہ حقوق کے ساتھ لا کھڑا کیا۔ انسانی آزادی کا یہ منشور، روشنی کا یہ مینارہ سارے ہی انسانوں کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے:

''انسانو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔'' (الحجرات:۱۳)

اس تعلیم نے انسان کو بتایا کہ نوعِ انسانی ایک کنبہ ہے۔ ایک دوسرے کے پہچاننے کے لیے ہی قبیلے برادریاں اور خاندان بنے ہیں۔

☆ پیدائش کی بنیاد پر اونچ نیچ
☆ قبیلے کی بنیاد پر اونچ نیچ
☆ خاندان کی بنیاد پر اونچ نیچ

یہ سارے امتیازات بیخ وبُن سے اُکھاڑ پھینک دیے گئے۔

سبھی انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور وہ سب مساویانہ حقوق اور مساویانہ زندگی کے مستحق ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں کو دوسروں کے اقتدار سے رہائی دلا کر اور مساویانہ حقوق عطا کر کے کیا قرآن نے انھیں بے لگام چھوڑ دیا؟ کیا انھیں سرکش بنا دیا؟ کیا انھیں ذمے داریوں سے سبکدوش کر دیا؟ نہیں، نہیں ہرگز نہیں!

قرآن نے خدا کا تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید و تلقین کی۔ صرف ایک خدا سے ڈرو اس کا حکم دیا، دوسروں سے نہ ڈرو، ان تعلیمات کو عطا کر کے خوفِ خداوندی دل میں جاگزیں کر کے صرف قوانین کے آگے سرنگوں ہونے کا حوصلہ بلند قرآن نے انسان کو عطا کیا۔

ظالم حکمرانوں، غیر منصفانہ قوانین، استحصال کرنے والوں، جنگ، بیماری، موت، غربت وافلاس، مال وشہرت کا زیاں، ان تمام کے اندیشوں سے نہ ڈرے اور نہ گھبرانے اور نہ

ڈگمگانے کی تعلیم اور تربیت دے کر قرآن نے انسان کو ایک بہادر، باوقار، صاحبِ مجد و شرف ہستی بنایا۔ انسان کو ان عظیم نعمتوں سے مالا مال کرنے والی ایک ہی کتاب ہے اور وہ ہے قرآن مجید۔ صحرا کی گودوں میں پلنے والے عرب اپنے قبیلوں کی خانہ جنگی میں اُلجھے ہوئے تھے۔ اس وقت کی دنیائے انسانیت کی تہذیب کے جھونکے ان کے قدموں کو چھو کر بھی نہ گزرے تھے۔ اس کتابِ عظیم نے ایسی قوم کو سلیقہ و تہذیب سے آراستہ کر کے دنیا پر حکومت کرنے کی حکمت و دانش اور تدبیر سے نواز کر اُنھیں ہر اعتبار سے بہادروں کا بہادر بنا دیا۔

یہ عظیم کارنامہ درحقیقت قرآن کی انقلابی تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے اور اس حقیقت کا اعلان بلا کسی تردُّد کے ہمالیہ کی چوٹیوں پر کھڑے ہو کر کرنے کے لیے میں تیار ہوں۔

اس کتابِ مبین کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر حالت میں انصاف و عدل پر قائم رہنے اور کبھی بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دینے کی تاکید اس نے ہر قدم پر کی ہے۔ حق و انصاف کا دامن چھوڑنے والے کو آخرت کے دردناک عذاب سے بھی ڈرایا ہے۔ آپ کے اپنے رشتے دار کا معاملہ ہو تو بھی اُن کی خاطر حق و انصاف کا دامن نہ چھوڑو۔ اس کی تاکید قرآن کرتا ہے۔ اسی عدل و انصاف کی تعلیم کا اثر ہے کہ اسلامی حکومت کے بے مثل حق و انصاف کے نمونے تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔

انسان کی آزادی، انسانی مساوات اور حق و انصاف، ان تین بہترین اساسی اصولوں پر قرآن حکیم انسانی معاشرے کو تشکیل دیتا ہے۔

قرآن کا ایک اور امتیازی وصف ملاحظہ فرمائیں:

بہت سی مذہبی کتابیں انسان کی دنیوی زندگی کو پاپ کی زندگی کہتی ہیں، اس سے جلد از جلد دامن چھڑانے کی، اس کو تج دینے کی اور اس کو خیر باد کہنے کی تلقین کرتی ہیں۔

اس کے برخلاف قرآن یہ کہتا ہے کہ انسان خدا کی ایک بہترین تخلیق ہے۔ وہ زندگی میں انسانی فرائض کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے، ان اعمال کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور زندگی میں ان اعمال کے سرانجام دینے کی پوری تاکید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان فرائض کی انجام دہی سے تمھیں کامل زندگی میسر آئے گی اور زندگی میں حسن کے چار چاند لگیں گے۔ انسانی زندگی کو احترام کی نگاہ اور تکریم کی نظر سے دیکھنے والی کتاب قرآن مجید ہے۔

وہ کارزارِ حیات سے فرار کی تلقین نہیں کرتی۔ بلکہ یہ کتاب کہتی ہے کہ زندگی کی اسی جدوجہد سے حیاتِ کامل انسان کو حاصل ہوتی ہے۔

☆ ایسے امتیازات سے معمور، یہ کتاب لازماً 'الکتاب' ہے۔

☆ ایسی نعمتوں سے نوازنے والی یہ کتاب یقیناً مقدس کتاب ہے۔

☆ ایسی عظمتوں سے ہم کنار کرنے والی یہ کتاب بلاشک وریب عظیم کتاب ہے۔

پیغمبر انسان ہی ہوتے ہیں

انسان کے اندر سچائی، اخلاق اور حیا وغیرہ کو پیدا کرنے کے لیے اور اس کی تعلیم دینے کے لیے نبی کریمؐ مبعوث ہوئے۔ انھوں نے بڑی ہی سادگی سے یہ عظیم تعلیمات، حکمت سے بھرپور تعلیمات انسانوں کو دیں۔

فلاں خدا کے اوتار ہیں، فلاں خدا کے جزو ہیں، فلاں خدا کے بیٹے ہیں، ان دعوؤں کے ساتھ جو مذاہب اُٹھے ان کو دنیا نے مانا اور ان کی پیروی کرنے کی کوشش کی۔

لیکن اسلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ خدا کہا جاتا ہے، نہ خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے، نہ خدا کا اوتار کہا جاتا ہے۔

نبی کریمؐ سیدھے سادے انسان نظر آتے ہیں۔ لیکن ایک پاک باز انسان، بلند اخلاق کے حامل انسان۔ قرآن اعلان کرتا ہے۔

''اے نبی! کہو کہ میں تو بس ایک انسان ہوں تمہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔'' (الکہف:۱۱۰)

قرآن میں متعدد جگہ نبی کریمؐ کی زبانی یہ اعلان کرایا گیا ہے کہ وہ کہیں کہ وہ انسان ہیں، پاک باز انسان۔

☆ میں کسی عجوبے کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔

☆ میرے پاس آسمانوں کے خزانے نہیں ہیں۔

☆ میں غیب کی باتیں نہیں جانتا۔

☆ میں انسان ہوں، تم ہی جیسا انسان۔

ان دعوؤں کے ساتھ اگر کسی نے کسی دین کو قائم کیا ہے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔

قرآن واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ:

''تم مردوں کو نہیں سنا سکتے، نہ ان بہروں تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہو جو پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں اور نہ اندھوں کو راستہ بتا کر بھٹکنے سے بچا سکتے ہو۔ تم تو اپنی بات اُن ہی لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور پھر فرماں بردار بن جاتے ہیں۔''

(النمل ۸۰، ۸۱)

لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کریمؐ نے کسی عجوبہ کے مظاہرہ کی کوشش نہیں فرمائی اور نہ خدا کے جز ہونے کا کوئی دعویٰ کیا۔ سیدھی راہ سے آگاہ کرنے کے لیے بھیجے گئے وہ ایک انسان ہی تھے۔

بات صرف اتنی ہی نہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اس راہِ راست سے اگر نبی کریمؐ بھی ہٹیں تو کوئی طاقت انھیں خدا کے عتاب سے نہ بچا سکے گی:

''اور اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آ چکا ہے ان (بے دینوں) کی خواہشوں کی پیروی کی تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔'' (البقرہ: ۱۴۵)

قرآن پھر کہتا ہے:

''اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آ چکا ہے تم نے ان (بے دینوں) کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لیے نہیں۔'' (البقرہ: ۱۲۰)

جب ہم ان آیات کو پڑھتے ہیں تو دل لرز کر رہ جاتا ہے۔ انسانیت کے لیے جسے اسوۂ حسنہ کہا گیا، کیا وہ خدا کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں کی پیروی کر سکتا ہے کہ وہ سزا کا مستحق ہو۔ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی قرآن واضح الفاظ میں تنبیہ کرتا ہے کہ نبیؐ سے بھی غلطی ہو جائے تو ان کو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست و مددگار نہیں ہوگا۔

کیا کسی مذہبی کتاب میں اس کے لانے والے کو اتنی صاف اور واضح تنبیہ کی گئی ہے؟ میں کہوں گا کہ بالکل نہیں۔

''میں ایک انسان ہوں تمہی جیسا، میں بھی کوتاہی کروں تو اللہ کے ہاں پکڑا جاؤں گا،

اس دعوے کے ساتھ کسی دین کو پیش کرنے والا اگر کوئی ہے تو وہ نبی کریمؐ ہیں۔ کوئی دین ایسا پیغمبر دے سکا ہے تو وہ صرف دینِ اسلام ہے۔

پھر اس کے ساتھ ایک حیرت ناک بات اور بھی ہے جو ہمیں عام مذاہب کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ آں حضورؐ کو آپؐ کے زمانے میں بھی انسان ہی سمجھا گیا اور وفات کے بعد بھی آج تک انسان ہی سمجھا جا رہا ہے، اور تا قیامت انسان ہی سمجھا جائے گا۔

کتنے ہی مذہبی قائدین انسان کی حیثیت میں پیدا ہوئے، زندگی میں انسان کی حیثیت سے ہی رہے۔ انسانی سماج میں اصلاح اور بھلائی کے کام کیے اور پھر وفات پائی لیکن ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی انھیں خدا کا درجہ دے دیا گیا۔

مثال کے طور پر گوتم بدھ کو لیجیے۔ وہ پیدا تو انسان ہی ہوئے تھے ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ نیک عمل کرتے تھے اور بھلائی کی تلقین کرتے تھے لیکن جیسے ہی وہ فوت ہوئے وہ خدا بنا لیے گئے۔ لیکن اسلام میں نبی کریمؐ کی ذاتِ گرامی کو کبھی خدا کا درجہ نہیں دیا گیا۔ وہ بس انسان ہیں، خلقِ عظیم سے متصف انسان اور پیغمبر ہونے کی حیثیت سے ساری نوعِ انسانی کے لیے اسوۂ حسنہ بہترین نمونہ۔

اسی حد تک آپؐ کی تعریف و توصیف پچھلے چودہ سو سالوں سے کی جا رہی ہے۔ الوہیت کا درجہ آپؐ کو کبھی نہیں دیا گیا۔

اسلام ـ انا دورائی کی نظر میں

سابق وزیرِ اعلیٰ تمل ناڈ مسٹر انا دورائی [1] نے ۷/اکتوبر ۱۹۵۷ء میں سیرت کے موضوع پر ایک تقریر کی تھی جسے یہاں پیش کرنا مفید رہے گا۔ اپنی تقریر میں مسٹر انا دورائی نے کہا تھا کہ:

'اسلام کے اصول وقواعد کی جتنی ضرورت چھٹی صدی میں دنیا کو تھی اس سے کہیں بڑھ کر ان کی ضرورت آج کی دنیا کو ہے جو مختلف نظریات کی کھوج میں ٹھوکریں کھا رہی ہے اور کہیں بھی اسے چین نصیب نہیں ہوسکا۔

اسلام محض ایک مذہب نہیں ہے بلکہ وہ ایک نظریۂ حیات اور بہترین نظامِ زندگی ہے۔ اس نظامِ حیات کو دنیا کے کئی ممالک اختیار کیے ہوئے ہیں۔

میرے اپنے مذہبی خیالات اور سیرت کے اس جلسے میں میری شرکت کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔ اسلام کو ایک نظامِ حیات جان کر ہی میں اس جلسے میں شریک ہوا ہوں۔

اسلامی نظریۂ حیات اور اسلامی نظامِ زندگی کے ہم کیوں مداح ہیں؟ صرف اس لیے کہ اسلامی اصولِ حیات انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے سبھی شکوک وشبہات کا جواب احسن طریقے سے دیتے ہیں۔

نبی کریمؐ کی تعلیمات میں سرِفہرست یہ تعلیم ہے: ''خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔'' اس تعلیم کی میں دل سے قدر کرتا ہوں اور تحسین کی نظروں سے دیکھتا ہوں۔

اس تعلیم کی قدر اتنی کیوں کی جائے؟

---

(۱) مسٹر انا دورائی D.M.K. کے بانی تھے۔ وہ D.K.K حکومت کے پہلے وزیرِ اعلیٰ منتخب ہوئے تھے۔ وہ ایک سیاست داں ہی نہیں دانشور بھی تھے۔ D.K.K اور (A.I.D.M.K.) کے حلقوں میں ان کا نام احترام سے لیا جاتا ہے۔

اس لیے کہ یہ تعلیم انسانی فکر کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے اور سوچنے پر اُبھارتی ہے۔

خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ کیوں نہ کیا جائے؟ خدا کی ذات وصفات کیا ہیں؟ انسان کے لیے ان تمام مسئلوں پر سوچنے کا سامان یہ تعلیم مہیا کرتی ہے۔

ایک تمل دانشور شاعر نے کہا ہے:

جس نے دیکھا اس نے پایا نہیں
جس نے پایا اس نے دیکھا نہیں
جس نے دیکھا اس نے کہا نہیں
جس نے کہا اس نے دیکھا نہیں

خدا کی صفات لامتناہی ہیں۔ اس میں کھو جانا اور مسلسل اس میں آگے بڑھنا ہی کمال ہے۔

خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کسی کو ہم خدا کا ہمسر قرار دیں۔

خدا کا شریک کون ہو سکتا ہے؟ اس لیے نبی کریمؐ نے شرک سے منع فرمایا ہے۔

دیگر مذاہب میں شرک کی تعلیم کی اجازت ہونے سے ہم جیسے لوگ مختلف نقصانات کا شکار ہوئے ہیں۔ شرک کی راہوں کو مسدود کر کے اسلام انسان کو بلندی اور رفعت عطا کرتا ہے اور پستی اور اس کے ہولناک نتائج سے نجات دلاتا ہے۔

دینِ اسلام انسان کو کامل اور اچھا انسان بناتا ہے۔ خدا نے جن بلندیوں تک پہنچنے کے لیے انسان کو پیدا کیا ہے ان رفعتوں کو پانے اور ان تک اوپر اُٹھنے کی طاقت وصلاحیت انسان کے اندر اسلام کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔

خدا خود ظاہر ہو کر ''مجھے خدا مان لے'' یہ حکم انسان کو دے سکتا تھا۔ اس صورت میں انسان کے لیے اپنی قوتِ فکر سے کام لینے کا کوئی موقع باقی نہ رہتا۔ اس طرح انسان کی فکری قوت کو سخت صدمہ پہنچتا اور انسان ذہنی وفکری ارتقا سے محروم رہ جاتا۔ لیکن نبی کو بھیج کر ان کے ذریعے سے جب خدا نے یہ پیغام دیا کہ ''یہ میری طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں، تو یہ ناگزیر ہو گیا کہ انسان غور وفکر سے کام لے۔ کیا نبوت کا دعویٰ کرنے والے اس شخص کو حقیقت میں خدا نے بھیجا ہے؟ کیا اس کے اندر صفاتِ عالیہ پائی جاتی ہیں: جن سے ایک نبی کو متصف ہونا چاہیے؟ ان

ساری باتوں کو سوچنے پر انسان مجبور ہوتا ہے۔ ایک ٹمل شاعر کہتا ہے:

''علم و عرفاں ہی خدا ہے
خدا ہی علم و عرفاں ہے''

حقیقی علم و عرفان یقیناً انسان کو خدا سے آشنا کراتا ہے۔ خدا سے بیگانہ لوگ علم وعرفان سے بالکل محروم ہوتے ہیں۔ خواہ انھیں اپنے علم کا کتنا ہی زعم کیوں نہ ہو۔

اسلام کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس کو جس نے بھی اپنایا وہ ذات پات کے بھید بھاؤ کو بھول گیا۔

مدگتور[1] میں ایک دوسرے کا سر قلم کرنے والے جب اسلام کو قبول کرنے لگے تو اسلام نے ان کو بھائی بھائی بنا دیا۔ سارے بھید بھاؤ ختم ہو گئے۔ نیچی ذات کے لوگ نیچے نہیں رہے بلکہ سب کے سب مکرم و باعزت ہو گئے۔ سب مساویانہ حقوق کے مالک ہو کر اخوت کے بندھن میں بندھ گئے۔

اسلام کی اس خوبی سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ برناڈ شا نے جو کسی مسئلے کے سارے ہی پہلوؤں کا گہرائی سے تجزیہ کرنے والی شخصیت تھی، اسلام کے اصولوں کا تجزیہ کرنے کے بعد کہا تھا:

''دنیا میں باقی اور قائم رہنے والا کوئی دین ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔''

نبی کریمؐ کو ہم کیوں ایک عظیم انسان مانتے ہیں اور ان کی تعریف و توصیف کیوں کرتے ہیں؟

آج ۱۹۵۷ء میں ہم انسانی شعور کو بیدار کرنے اور عوام الناس کو ان کی خودی سے آگاہ کرنے کی تھوڑی بہت کوشش کرتے ہیں تو کتنی مخالفت ہوتی ہے۔ چودہ سو سال قبل جب نبی کریمؐ نے دعوت دی کہ بتوں کو خدا نہ بناؤ۔ کئی خدا کو پوجنے والوں کے درمیان کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ بت تمہارے خدا نہیں ہیں، ان کے آگے سر مت جھکاؤ۔ صرف ایک خالق ہی کی عبادت کرو۔

اس اعلان کے لیے کتنی جرأت درکار تھی، اس دعوت کی کتنی مخالفت ہوئی ہوگی۔ مخالفت کے طوفان کے درمیان پوری استقامت کے ساتھ آپؐ یہ انقلابی پیغام دیتے رہے، یہ آپؐ کی عظمت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

---

[1] یہ تمل ناڈ کا ایک گاؤں ہے جہاں اونچی ذات اور نیچی ذات والوں کے درمیان بھیانک فسادات ہوئے تھے۔

یہ استقامت جو نبی کریمؐ میں تھی اس کی پیروی آج بھی اہلِ اسلام کرتے ہیں۔

اسلامی نظامِ حیات انسانوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے، انسانوں کے شعور کو جگاتا ہے۔ انسانوں میں اخوت ومحبت کے رشتے پیدا کرتا ہے، انسانی ذہن میں بیداری کو جنم دیتا ہے۔

جب کہ عام مذاہب انسانوں میں تعصب کے جذبات اُبھارتے ہیں۔ایک کو دوسرے سے لڑاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پولیس کو دخل دینا پڑتا ہے۔اس کے برعکس یہ نظریۂ حیات اور یہ نظامِ زندگی محبت اور پیار کی بنیاد پر انسان کو متحد کردیتا ہے۔

دین اور صحیح نظامِ حیات میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔اختلاف اس وقت ہوتا ہے جب کہ دین کا تصور ناقص اور محدود ہو۔ یہاں تک کہ یہ تصور قائم کرلیا جائے کہ دین کو زندگی کے عام مسائل سے کوئی سروکار ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دینِ صحیح کو جو بہ ذاتِ خود ایک نظامِ حیات بھی ہوتا ہے، اگر عملاً اپنایا جائے تو اس سے انسانوں کو فائدہ ہی پہنچے گا، نقصان نہیں۔اس کے لیے ایک ایسا ماحول پیدا کرنا ہوگا جہاں یہ نظامِ حیات صحت مندانہ طور سے اپنا عمل جاری رکھ سکے۔اور جہاں انسان کو عدل وانصاف، عزت وبلندی، امن وعافیت اور وہ سب کچھ دلا سکے جس کا وہ ضرورت مند ہے۔

ماحول انسان بناتا ہے۔جیسا ماحول ہوتا ہے بالعموم لوگ اس کے مطابق اپنے کو ڈھال لیتے ہیں۔عوام کو یہ فکر نہیں ہوتی کہ ماحول کسی نظامِ حیات کے صحت مندانہ عمل کے لیے موقع دیتا ہے یا نہیں۔وہ بھیڑ کی طرح آنکھیں بند کرکے چلتے ہیں۔

بڑے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اس کی تشخیص کرتے ہیں کہ ماحول کی سمت ٹھیک ہے یا نہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ماحول کا رُخ غلط ہے تو وہ اس کے مخالف سمت میں چلنے لگتے ہیں۔ انھیں اس کی پروا نہیں ہوتی کہ اس مخالف سمت اختیار کرنے سے انھیں سخت نقصان پہنچ سکتا ہے۔ حق اور صحیح نظامِ حیات کے صحت مندانہ عمل کی خاطر وہ مخالف سمت میں چل پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ غلط ماحول کو صحت مند ماحول میں بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ تکلیفیں جھیلنے اور مصائب کا شکار ہونے کے باوجود جو راہِ حق پر چلنے کا حوصلہ رکھتے ہیں حقیقت میں وہی مردانِ کار ہیں۔ایسے ہی باحوصلہ لوگ وقت سے نبرد آزما ہوکر ایک ایسے ماحول کی تعمیر کرتے ہیں جس میں صحیح نظامِ حیات کارفرما ہوسکے۔

حضرت محمد ﷺ کا شمار ایسی ہی عظیم اور باحوصلہ شخصیتوں میں ہوتا ہے بلکہ آپؐ کی عظمت عام بڑی شخصیتوں سے بھی کہیں بڑھ کر ظاہر ہوئی ہے۔ ایسے عظیم بزرگ شخص کی تعلیمات کو ملک میں عام کرنا چاہیے۔ ان تعلیمات کو عام کرنے کے لیے اچھا ماحول چاہیے جس کے لیے صالح نظامِ تعلیم کا لانا ناگزیر ہے۔ صالح نظامِ حکومت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ صالح حکمراں صالح افراد ہی سے مل سکتے ہیں۔ اس سے صالح افراد کی اہمیت اور ان کی قدر و قیمت کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ایسے افراد ہی دراصل کسی سوسائٹی کا اصل سرمایہ ہوتے ہیں، جن پر سوسائٹی کے مستقبل کا سارا انحصار ہوتا ہے۔ ان کا ضیاع انسانیت کا سب سے بڑا نقصان ہے۔

دین اسلام ہیرے کی طرح ہے۔ ہیرے کا استعمال مختلف لوگ مختلف طریقے سے کرتے ہیں۔ کوئی انگوٹھی میں جڑ لیتا ہے، کوئی زیورات میں جڑ لیتا ہے، کوئی اس کو فروخت کر کے حاصل شدہ دولت کو عیاشی میں اُڑا دیتا ہے۔

ہیرے کی اہمیت وافادیت یا اس کی ضیاع کا تعلق درحقیقت اس سے ہے کہ انسان اسے کس طرح استعمال کرتا ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہیرے سے کہیں بڑھ کر قدر و قیمت کے حامل نظامِ حیات کے ساتھ ہمارا رویہ کیا ہے۔

کیا یہ دین ظالموں کا یا جابروں کا ساتھ دے گا؟ کیا یہ مجبوروں کا حق مارے گا؟ یا اس کے برعکس یہ مظلوم اور کچلے ہوئے لوگوں کی مدد کرے گا؟

عمل کی دنیا میں اگر اول الذکر نتائج ہی سامنے آرہے ہوں تو خواہ ہم اسلام کی کتنی ہی تعریف وتوصیف کرتے رہیں اس کا کوئی وزن نہیں۔ ہاں اگر نتائج مؤخر الذکر شکل میں دکھائی دے رہے ہیں تو یقیناً لوگ یہ باور کر سکتے ہیں کہ یہ نظام دنیا کے لیے سراپا رحمت ہوگا۔

اسلام اپنی ساری خوبیوں اور آب وتاب کے ساتھ ہیرے کی طرح آج بھی موجود ہے۔ اب داعیانِ اسلام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دین اسلام کو مخلصانہ طور پر اپنائیں۔ اس طرح وہ اپنے رب کی خوش نودی اور رضا بھی حاصل کر سکتے ہیں اور غریبوں اور مجبوروں کے مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں۔ اور انسانیت مادی اور روحانی ترقی کی طرف تیز رفتاری سے آگے بڑھ سکتی ہے۔

اسلام ــــ مشاہیرِ عالم کی نظر میں

ہمارے یہاں کے دانشوراناد ورائی نے نبی کریمؐ کو جس احترام کی نگاہ سے دیکھا اس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ صرف انادورائی ہی نہیں دنیا کے مختلف ممالک کے دانشور اور مدبر سبھی نے نبی عربیؐ کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ نپولین سے لے کر انسائیکلوپیڈیا آف برٹانکا کے مدیروں تک سبھی نے آں حضورؐ کی خدمت میں ہدیہ عقیدت پیش کیا ہے۔

نپولین نے کہا تھا: ''وہ دن دور نہیں کہ سارے ہی ممالک کے مدبرین مل کر قرآن کے اصولوں کے مطابق ایک ہی طرز کی حکمرانی کو اختیار کریں گے۔ قرآن کی تعلیمات اور اس کے اصول سچائی پر مبنی ہیں اور نوعِ انسانی کو خوشیوں اور خوش حالیوں سے مالا مال کرنے والے ہیں۔ لہٰذا خدا کے بھیجے ہوئے رسول محمد ﷺ اور آپؐ پر نازل کی ہوئی کتاب قرآن پر میں فخر کرتا ہوں اور آپؐ کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کرتا ہوں۔''

گاندھی جی نے کہا: ''قرآن کا متعدد بار میں نے غور سے مطالعہ کیا۔ سچائی اور رہنمائی کی تعلیم اس میں دیکھ کر مجھے انتہائی خوشی ہوئی۔''

ڈاکٹر سیموئل جانسن اپنی شہرۂ آفاق کتاب اورنٹیل ریلیجنس میں رقم طراز ہیں: ''قرآن نہ نثر ہے نہ نظم۔ تاہم وہ اپنے اندر نثر کا زور بھی رکھتا ہے اور نظم کا حسن بھی۔ وہ نہ تاریخ ہے نہ کسی سیرت کی کتاب۔ تاہم موعظت و عبرت دلانے میں ان سب سے زیادہ مؤثر ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو تورات بیک وقت عطا ہوئی تھی، لیکن قرآن بیک وقت نازل نہیں ہوا اور نہ بیک وقت پیش کیا گیا۔ پلاٹو کی کتاب میں تحقیق و ریسرچ کا انداز اختیار کیا گیا ہے، لیکن قرآن کا انداز و اسلوب خود اس کا اپنا ہے۔ وہ ایک داعی کی آواز ہے، حکمتوں سے لبریز، جدوجہد

کا جذبہ اور عمل کا جوش بھر دینے والی کتاب۔ اپنی دعوت کے مخالفین کو چیلنج کرنے والی کتاب، سوز و درد کے ساتھ انھیں سمجھانے والی کتاب، وہ اتنی پر حکمت اور جامع کتاب ہے کہ ہر ملک اور ہر زمانے کے لوگ شعوری یا غیر شعوری طور پر، چاہے یا بغیر چاہے اس کی تعلیمات کے زیر اثر اپنے کو رکھنے پر مجبور پاتے ہیں۔ اس کی صدائے بازگشت ایوانوں میں سنی جا رہی ہے اور صحراؤں میں بھی، شہروں میں سنی جا رہی ہے اور دیہاتوں میں بھی۔ بلا کسی تفریق کے ہر کسی پر اس کی چھاپ پڑ رہی ہے۔

سب سے پہلے اس کتاب نے اپنی دعوت پر لبیک کہنے والوں اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے دلوں کو گرمایا پھر ان کو ایک اجتماعی تحریک میں ڈھالا۔ یہ تحریک طوفان کی طرح اُٹھی۔ ایران و ایشیا کے مختلف ممالک سے گزرتے ہوئے دور تک جا پہنچی۔ وہاں جو بھی تعمیری افکار تھے ان کو اس تحریک نے اپنے اندر جذب کیا اور ظلمتوں میں بھٹکنے والے عیسائی یورپ کو حکمت و دانش کا درس دیا۔''

قرآن شریف کے پہلے انگریزی مترجم مسٹر راڈویل اپنے مقدمہ میں یوں قرآن کے ثنا خواں ہیں:

''عرب کی جاہل، انگھڑ اور تہذیب سے ناآشنا قوم کو ایک مختصر سی مدت میں دنیا کی امامت اور حکمرانی کے قابل صرف اس کتاب نے بنایا۔ گویا کسی نے جادو کی چھڑی گھما دی اور ایک عظیم انقلاب عربوں میں آناً فاناً آ گیا۔''

یکم جنوری ۱۹۴۵ء کو مسز سروجنی نائیڈو نے مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال کلکتہ میں اپنا خراجِ عقیدت ان الفاظ میں پیش کیا۔

''قرآن حکیم ادب و انصاف کا منشور ہے۔ آزادی کا چارٹر ہے۔ عملی زندگی میں حق و انصاف کی تعلیم دینے والی قانون کی عظیم کتاب ہے۔ کوئی دوسری مذہبی کتاب قرآن کی طرح زندگی کے سارے ہی مسائل کی عملی تشریح اور حل پیش نہیں کرتی۔''

جرمنی کے دانشور گوئٹے نے کہا:

''جب بھی میں قرآن کو دیکھتا ہوں نئے معنی وہ کھولتا چلا جاتا ہے۔ اس کتاب کی کشش اپنے پڑھنے والے کو آہستہ آہستہ کھینچتی ہے اور بالآخر اس کے ذہن و دماغ پر چھا جاتی ہے۔''

مشہور مورّخ گبن نے ان الفاظ میں ہدیۂ تبریک پیش کیا ہے۔

''نظریۂ توحید کو واضح الفاظ میں بیان کرنے والی اور دلوں میں توحید کا نقش بٹھانے والی عظیم کتاب قرآنِ کریم ہے۔''

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانکا کے مرتب لکھتے ہیں:

''دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی اور حفظ کی جانے والی کتاب قرآن ہے۔ یہ امتیاز دنیا کی کسی بھی مذہبی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔''

ہندو مذہب کے ویدوں نے بھی محمدؐ کی پیشین گوئی کی ہے

محمدؐ عرب میں چھٹی صدی عیسوی میں پیدا ہوئے۔ مگر اس کے بہت پہلے ان کی آمد کی پیشین گوئی ہندو مذہب کے ویدوں میں کی گئی ہے۔ ایک بزرگ سے یہ دعویٰ سن کر میں نے اس کی تحقیق کی۔ ویدوں میں بھی آں حضورؐ کی آمد کی پیشین گوئی کو دیکھ کر حیران ہوا۔ مہارشی ویاس کے ۱۸ پرانوں میں سے ایک پران بھوِشیہ پران ہے۔ اس کا ایک اشلوک یہ ہے:

''ایک دوسرے ملک میں ایک آچاریہ اپنے اصحاب کے ساتھ آئیں گے۔ ان کا نام محامد ہوگا۔ وہ صحرا کے علاقے میں آئیں گے۔'' (بھوشیہ پران باب ۳، اشلوک ۳ سوتر ۵ تا ۸)

واضح طور سے اس اشلوک اور سوتر میں نام اور مقام کے اشارات ہیں۔ آنے والی عظیم شخصیت کی مزید نشانیاں یہ بیان ہوئی ہیں:

''وہ مختون ہوں گے۔ ان کی جٹا نہیں ہوگی۔ وہ داڑھی رکھے ہوں گے۔ گوشت کھائیں گے۔ اپنی دعوت واضح الفاظ میں زوردار طریقے سے پیش کریں گے۔ اپنی دعوت کے ماننے والوں کو موسلائی کے نام سے پکاریں گے۔'' (باب ۳، اشلوک ۲۵ سوتر ۳)

اس سوتر کو بہ غور دیکھیے۔ ختنہ کا رواج ہندوؤں میں نہیں تھا۔ جٹا یہاں کا مذہبی نشان تھا۔ آنے والی شخصیت ان اجنبی باتوں سے متصف ہے اور واضح نشان دہی کرتی ہے۔ اور پھر اس دعوت کے ماننے والوں کے لیے موسلائی کا نام ہے۔ یہ لفظ مسلم اور مسلمان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اتھر وید، باب ۲۰ میں ہم درج ذیل اشلوک دیکھتے ہیں:

☆ ''اے بھگتو! اس کو غور سے سنو۔ تعریف کیا گیا۔ تعریف کیا جانے والا وہ محامہے مہان رشی ساٹھ ہزار نوے لوگوں کے درمیان آئے گا۔''

محمدؐ کے معنی تعریف کیا گیا۔ ان کی پیدائش کے وقت مکہ کی آبادی ۶۰ ہزار تھی۔

☆ ''وہ بیس نر و مادہ اونٹوں پر سواری کریں گے۔ ان کی تعریف و توصیف جنت تک ہوگی۔ اس مہارشی کے سو سونے کے زیورات ہوں گے۔''

اونٹ پر سواری کرنے والے مہارشی کو ہم ہندوستان میں نہیں پاتے۔ لہٰذا یہ محمد عربیؐ ہی کی طرف اشارہ ہے۔

سو سونے کے زیورات سے مراد ہجرت حبشہ میں جانے والے آپؐ کے سو جاں نثار اصحاب ہیں۔

☆ ''دس موتیوں کے ہار، تین سو عربی گھوڑے، دس ہزار گائیں ان کے یہاں ہوں گی۔''

عشرہ مبشرہ دس جنتی کا لقب پانے والے اصحابِ رسول ہیں۔ جنگِ بدر میں حصہ لینے والے ۳۱۳ صحابیوں کو تین سو عربی گھوڑوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ دس ہزار گایوں سے آپؐ کی اتباع کرنے والوں کی کثرتِ تعداد مراد ہے۔

قرآن مجید نبیؐ کو رحمۃ للعالمین کے لقب سے یاد کرتا ہے۔

رگ وید میں بھی ہے: ''رحمت کا لقب پانے والا تعریف کیا گیا دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ آئے گا۔'' (رگ وید، منتر ۵، سوتر ۲۸)

اسی طرح وید میں محامہے اور محامد کے نام سے بھی آپؐ کی آمد کا ذکر ہے۔

تم سا ہم کسے پائیں گے؟

مسلمان جاہل ہیں، ضدی اور غصہ ور ہیں۔ ظالم اور مغرور ہوتے ہیں۔ یہ باتیں عام طور سے غیر مسلم بھائیوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

تحقیق کی جائے اور قریب جا کر دیکھا جائے تو ایک دوسری ہی حقیقت سورج سے زیادہ روشن سامنے آتی ہے۔

اسلام کے معنی ہی امن اور سلامتی کے ہیں۔ جہاں تک میرا علم ہے نرمی، جذبات پر قابو اور جذبۂ ضبط کا اگر کوئی بہترین نمونہ ہے تو وہ محمدؐ کی ذاتِ گرامی ہے۔

سبھی نیک لوگ اور مصلحین، اعلیٰ صفات سے متصف ہوتے ہیں، لیکن تاریخِ انسانی میں محمدؐ جیسی جامع شخصیت کہیں نہیں ملتی۔ اس بات کا اعلان میں اپنے قلب کی گہرائیوں سے کرتا ہوں۔

عرب کا حکمراں ہونے کے باوجود آپؐ اپنے کام خود کر لیتے تھے۔ اپنے جوتے آپؐ خود گانٹھتے تھے۔ اپنے کپڑوں کا پیوند دستِ مبارک سے خود لگا لیتے تھے۔ مویشیوں کو اپنے ہاتھوں سے چارہ دیتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے دودھ دوہتے تھے۔

دودھ نوش کرنے والے اور دودھ ہی میں نہانے والے حکمرانوں کو تو دنیا جانتی ہے۔ لیکن دودھ دوہنے والے واحد حکمراں آپؐ ہیں۔

جنوبی ہند کا ایک واقعہ ہے۔ ایک رشی نے وائی گئی (Vaigai) ندی کی مٹی ڈھوئی۔ لیکن اس رشی نے مزدوری کے لیے مٹی ڈھوئی تھی۔ جب اس کا علم راجہ کو ہوا تو جس شخص نے رشی کے سر پر رکھوائی تھی اس کو راجہ نے سزا دی۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی مسجد کی تعمیر کے لیے کام کرنے والوں میں آپؐ بھی شریک رہے۔ یہ تاریخ کی انوکھی مثال ہے۔ آپؐ کا بستر سادہ ہی تھا۔ چٹائی یا چمڑے پر لیٹتے تھے اور بعض دفعہ زمین پر بھی آرام فرماتے تھے۔

آپؐ کا مکان بھی کچی مٹی کا بنا ہوا تھا۔ کھجور کے پتے، جس کی چھت تھے۔ آپؐ دنیا کو تج دینے والے راہب نہیں تھے بلکہ وقت کے ایک طاقتور حکمراں تھے۔ پھر بھی آپؐ کی یہ سادگی اور یہ خاک ساری!!! اس تصور ہی سے دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔

ہمیشہ ہنس مکھ چہرہ لیے ہوئے۔ نہ جھنجلانے والے، نہ غصہ کرنے والے، نہ قہقہہ لگانے والے۔ ہر شخص کا ہاتھ بٹانے والے، باوقار چال چلن والے، کسی کے سلام کا انتظار کیے بغیر ہر شخص کو آگے بڑھ کر سلام کرنے والے، بڑوں کو ان کے احترام ہی میں نہیں بلکہ چھوٹوں کو بھی شفقت سے سلام میں پہل کرنے والے۔ کوئی پکارنے والا خواہ وہ شخص گرا ہوا، کچلا ہوا، پسا ہوا اور دنیا والوں کی نگاہ میں حقیر ہی کیوں نہ ہو۔۔۔۔ اس کی پکار پر گرم جوشی اور جذبۂ ترحم کے ساتھ لبیک کہہ کر اس کی مدد کو دوڑنے والے۔ یہ ہے عظیم و بلند کردار اس پاکیزہ نبیؐ کا۔

آپؐ نے زندگی بھر نہ کسی کو جھڑکا، نہ کسی پر لعنت کی، نہ کسی کو گالی دی۔

بہت سارے بزرگوں کا حال ہم جانتے ہیں کہ وہ باہر دوسروں پر تو نرم خو ہوں گے، صابر و ضابط نظر آئیں گے لیکن اپنے اہل وعیال میں اپنے نوکر چاکر اور اپنے ماتحتوں کے درمیان وہ سخت گیر، ڈانٹنے ڈپٹنے والے اور سخت کلام ہوتے ہیں۔

لیکن نبی کریمؐ کی تو شان ہی نرالی ہے۔ جیسے وہ دوسروں کے درمیان رہتے تھے ویسے ہی خوش خلق اور نرم خو اپنے اہل وعیال، نوکر چاکر اور ماتحتوں کے درمیان میں بھی تھے۔

آپؐ سے ملنے والے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے تو اس کا ہاتھ تھام کر آپؐ گفتگو فرماتے۔ آنے والا جب تک اپنا ہاتھ نہیں کھینچ لیتا، آپؐ اس کی طرف ہاتھ بڑھائے رکھتے۔ ساتھیوں کے ساتھ چلتے تو ان کے ہاتھوں میں ہاتھ ملائے ہوئے چلتے۔ ہر کسی کو محبت اور احترام کے ساتھ پکارتے۔ کوئی آپ سے سخت لہجے میں گفتگو کرتا تو آپؐ صبر سے برداشت کر جاتے۔ آپؐ کی حیا مثالی تھی۔ شریف خاندان کی باعفت دوشیزہ کی حیا سے بھی بڑھ کر۔

ایسے عظیم انسان کو جن خوش قسمت انسانوں نے اپنا رہبر بنایا ہے انھی کا نام مسلمان ہے۔ آپؐ کے پیروؤں میں آج بھی ان صفات کی چھاپ پائی جاتی ہے۔ یہ سب اس عظیم نبیؐ ہی کا صدقہ ہے۔

آپؐ کی نرمی آپؐ کا ثبات

بہت سارے مذہبی قائدین کی زندگی میں ہم ایسے لمحات بھی دیکھتے ہیں کہ وہ خدا کی نصرت سے مایوس نظر آتے ہیں۔ یہ سارے لوگ صالح ہی تھے۔ لیکن ناسازگار حالات میں بعض اوقات ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے گویا خدا نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

ان حضرات کی زندگی میں نرمی تو نظر آتی ہے لیکن اسی کے ساتھ سخت ترین حالات میں اپنے اصولوں پر ثبات اور وہ جماؤ نظر نہیں آتا جو مطلوب ہے۔

نبیٔ عربی کی شان دیکھیے۔ وہ بزم گفتگو میں جتنے نرم تھے، جدوجہد کے میدان میں اتنے ہی گرم تھے۔ مصائب ومشکلات میں پہاڑ کی طرح ثابت نظر آتے تھے۔

آپؐ کی دعوتِ دین کو سن کر غصہ سے بھڑک جانے والے لوگوں کا ایک وفد آپؐ کے چچا ابوطالب کے یہاں گیا اور ان کو دھمکی دی کہ یا تو وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ اس دعوت سے باز آجائے یا وہ قوم اور آں حضورؐ کے درمیان سے ہٹ جائیں، ہم خود محمدؐ سے نمٹ لیں گے۔

حالات کی سنگینی سے ابوطالب پریشان ہوئے۔ آں جناب کو بلا بھیجا اور قریش کے ارادے سے انھیں آگاہ کیا اور محبت بھرے الفاظ میں یہ مشورہ دیا کہ ان حالات میں آپؐ کچھ نرمی اختیار کرلیں۔ اس موقع پر صادق اور ہادیٔ اعظم کا یہ جواب انسانی عزیمت کی تاریخ میں ایک شاندار باب ہے۔

''اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں تب بھی میں اپنی کوشش سے باز نہیں آؤں گا۔ میں اپنی آخری سانس تک اس دعوت کے پہنچانے میں کوئی کمی نہ کروں گا۔''

مخالفوں نے کتنی ہی ایذائیں آپؐ کو پہنچائیں۔ کوڑا کرکٹ آپؐ پر پھینکا، آپؐ پر پتھروں کی بارش کی۔ نماز کی حالت میں تھے تو اونٹ کی اوجھ آپؐ پر ڈال دی۔ آپؐ کے قتل کے لیے ہر قبیلے کے ایک ایک فرد نے ننگی تلوار لے کر آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔

ان تمام ناسازگار حالات سے آپؐ کی استقامت میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ آپؐ کے قدم ذرا بھی نہ ڈگمگائے۔

جنگ کے میدانوں میں آپؐ کو للکارا گیا۔ اس وقت یہی نرم خو انسان پوری استقامت کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ صرف ۳۱۳ جاں نثار آپؐ کے ساتھ تھے جب کہ مخالفین کی تعداد اس سے کئی گنا تھی۔ پوری عزیمت کے ساتھ آپؐ نے مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔

میدانِ جہاد میں آپؐ زخمی بھی ہوئے۔ آپؐ کے گال پر کاری زخم بھی لگا۔ آپؐ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے۔ ایک گڑھے میں آپؐ گر بھی پڑے۔ تاہم آپؐ کی عزیمت اور آپؐ کی استقامت میں ذرہ برابر بھی کمی نہ آئی۔

مدینہ کا محاصرہ ہوا۔ بھوک، فاقہ اور تنگ دستی کے ایام بھی آئے۔ کسی بھی حالت میں مایوسی آپؐ کو چھو کر بھی نہ گزری۔ ہر حال میں پُر امید اور سخت سے سخت حالات میں عزیمت کا پیکر ثابت ہوئے۔

یہ تو اس عظیم نبیؐ کی کیفیت تھی۔ آپؐ کے اصحاب کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ یہ حضرات کتنے مظالم کا شکار ہوئے۔ ان کا مذاق اُڑایا گیا، ان پر پھبتیاں کسی گئیں۔ ان پر کوڑے برسائے گئے، تپتی ہوئی ریت پر انھیں لٹایا گیا۔ لیکن ان سبھی حالات میں نبیؐ کے یہ ساتھی پوری قوت کے ساتھ راہِ حق میں جمے رہے۔

توحید اور ایک خدا پر اعتماد ان کی استقامت سے ظاہر ہوتا تھا۔ یہ اصحاب اپنی آخری سانس تک اپنے اصولوں پر جمے رہے۔ جان چلی گئی پر یہ اپنے اصولوں سے نہ ہٹے۔

نبیؐ کریمؐ نے اپنے ساتھیوں کو جہاں نرم خوئی سکھائی وہیں اصولوں میں بے لچک رویہ اختیار کرنے کی تعلیم بھی دی۔ مخالف گروہ کے ہاتھوں آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے شدید مظالم برداشت کیے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپؐ اور آپؐ کے ساتھی مکہ میں فاتحانہ داخل ہو رہے تھے تو ان پر نہ تو اس فتح کا کوئی نشہ چھایا ہوا تھا اور نہ ان کے دلوں میں انتقام کا

کوئی جذبہ پایا جارہا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس دنیا نے دیکھا کہ آپؐ کا سر عاجزی سے جھکا ہوا تھا اور ریش مبارک اونٹ کے کوہان کو چھو رہے تھے۔

قریش لرز رہے تھے کہ ہم نے ان لوگوں پر اتنے بھیانک مظالم ڈھائے ہیں، آج ہمارا حشر کیا ہوگا؟

نبی کریمؐ کی محبت بھری زبان سے یہ الفاظ موتیوں کی طرح جھڑ رہے تھے:

"لوگو! آج تم سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا، اللہ تمہیں معاف کرے، وہی رحمٰن و رحیم ہے۔ آج تم سب آزاد ہو۔"

آپؐ نے اپنے شہید چچا کے کلیجے کو نکالنے والے اور اسے چبانے والی دونوں کو معاف کردیا۔ کیا تاریخِ انسانی اس کی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہے؟

اور! کتنی بلندی اور کتنی عظمت کی بات ہے یہ!!

طہارت و پاکیزگی

ناواقف حضرات اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ ان کی ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں پاکیزگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہم ایسے سبھی بھائیوں سے کہیں گے کہ انتہائی پاکیزگی کی تعلیم دینے والا اگر کوئی مذہب ہے تو وہ اسلام ہے۔ نبی کریمؐ کی پیروی میں اگر ظاہر و باطن کی پاکیزگی اختیار کی جائے تو سارا عالمِ اسلام پاکیزگی کا گہوارہ بن جائے۔

اسلام میں ہر روز پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی ہے اور پاکیزگی کے بغیر نماز ادا ہی نہیں ہوتی۔ پاکیزگی کو اسلامی اصطلاح میں طہارت کہتے ہیں۔ طہارت کے تین اقسام ہیں۔ (۱) جسم کی پاکی (۲) لباس کی پاکی (۳) جگہ کی پاکی۔

بول و براز کے بعد جسم کو نہایت صاف رکھنے کی یہ دین تعلیم دیتا ہے۔ استنجاء کے بعد پاکی کے لیے ڈھیلے اور پانی کے استعمال پر زور دیتا ہے۔

مندرجہ ذیل مقامات پر بول و براز کی ممانعت کرتا ہے۔

شاہ راہ، تالاب اور ندی کے گھاٹ، درخت کا سایہ، عید گاہ، مسجد، قبرستان اور پبلک مقامات وغیرہ۔

اس سلسلے میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے، پانی میں بول و براز کرنے یا سواری پر سے حاجت رفع کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ یہ ممانعت خاص طور سے پاکیزگی اور طہارت ہی کے پیشِ نظر ہے۔ اسلام میں پاکیزگی کا کتنا زیادہ خیال رکھا گیا ہے اس کا اندازہ آپ اس سے بھی کر سکتے ہیں کہ حکم دیا گیا ہے کہ سور اور کتا وغیرہ نجس جانوروں کا لعاب وغیرہ اگر کسی برتن سے

لگ جائے تو اسے اچھی طرح دھوکر پاک کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر کپڑے یا بدن سے خون، پیپ اور بول براز وغیرہ لگ جائے تو اسے دھوکر پاک کرنا چاہیے۔ اسی طرح دودھ پیتا بچہ بھی اگر پیشاب کردے تو پانی ڈال کر بدن اور کپڑے کو صاف کرنا ضروری ہے۔

نماز کی شرائط میں یہ بات بھی شامل کی گئی کہ نماز ادا کرنے کی جگہ، مصلی اور نماز کا لباس اور جسم بھی پاک ہو۔ نماز کے لیے ضروری ہے کہ نماز سے پہلے وہ وضو کرلے اور اگر غسل کی حاجت ہو تو غسل کرنا بھی اس کے لیے ضروری ہے۔

غسل میں یہ ضروری ہے کہ آدمی کلی اور غرارہ بھی کرے اور ناک میں پانی ڈال کر اسے بھی اچھی طرح صاف کرے اور پھر پورے جسم پر پانی ڈال کر نہائے۔

وضو میں بھی کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈال کر صاف کرتے ہیں۔ منہ اور ہاتھ پیر دھوتے ہیں اور یہ سب عمل تین تین بار کیا جاتا ہے۔ بھیگا ہوا ہاتھ پھیر کر سر، گردن اور کانوں کا مسح بھی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں مسواک کی بھی بڑی تاکید آئی ہے اور اس کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

ہر روز نماز کے لیے پانچ بار وضو کرنا پڑتا ہے۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام میں صفائی کا کتنا اہتمام ہے۔

نبی کریمؐ خود پاکیزگی کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ دانت صاف کرنے کے لیے آپؐ کی مسواک ہمیشہ آپؐ کے تکیہ کے نیچے ہوتی تھی۔ ہر جگہ تھوکنے کو آپؐ پسند نہیں فرماتے تھے۔ اگر کوئی غلط جگہ تھوک دیتا تو آپؐ آگے بڑھ کر خود اس کو صاف کردیتے تھے۔ آپؐ اپنے قیام کی جگہ کو آئینہ کی طرح صاف رکھتے تھے۔ آپؐ کا لباس سادہ ہوتا تھا، لیکن پاک صاف۔ 'طہارت ایمان کا جز ہے' یہ نبیؐ کا ارشاد ہے۔

اِسلام میں عورت کی حیثیت

اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان میں سے کچھ غلط فہمیاں عورتوں کے بارے میں ہیں۔

اسلام سے پہلے عام طور سے ہر سماج اور ہر سوسائٹی میں عورت کو حقیر گردانا جاتا تھا۔ اس کی تحقیر کی جاتی تھی اور اس پر طرح طرح کے ظلم کیے جاتے تھے۔

☆ ہندوستانی سماج میں شوہر کے فوت ہونے پر شوہر کی لاش کے ساتھ بیوی کو بھی زندہ جلنا پڑتا تھا۔

☆ چین میں عورت کے پیر میں لوہے کے تنگ جوتے پہنائے جاتے تھے۔

☆ عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان مظالم کے خلاف آواز بلند کرنے والے مصلحین قریبی دور ہی میں پیدا ہوئے ہیں لیکن ان سارے مصلحین سے صدیوں پہلے سرزمین عرب میں نبی کریمؐ صنف نازک کے محسن کی حیثیت سے نظر آتے ہیں اور صنف نازک پر ڈھائے جانے والے مظالم کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔

عورت کے حقوق سے نا آشنا عرب سماج میں آں حضورؐ نے عورت کو مرد کے برابر مساویانہ درجہ دیا۔ عورت کا جائداد میں کوئی حق نہیں تھا، آپؐ نے وراثت میں اس کا حق مقرر فرمایا۔ عورت کے حقوق کی وضاحت کے لیے قرآن میں فرامین واحکام نازل ہوئے۔

والدین اور دیگر رشتے داروں کی جائداد میں عورتوں کو بھی وارث قرار دیا گیا۔ آج تہذیب کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والے کئی ممالک میں عورت کو نہ جائداد کا حق ہے نہ ووٹ دینے کا۔

انگلستان میں عورت کو ووٹ کا حق ۱۹۲۸ء میں پہلی بار دیا گیا۔ ہندوستانی سماج میں عورت کو جائداد کا حق گزشتہ دنوں میں حاصل ہوا۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آج سے چودہ سو سال قبل ہی یہ سارے حقوق نبیؐ نے عورتوں کو عطا کیے۔ کتنے بڑے محسن ہیں آپؐ!

آپؐ کی تعلیمات میں عورتوں کے حقوق پر کافی زور دیا گیا ہے۔ آپؐ نے تاکید فرمائی کہ لوگ اس فریضے سے غافل نہ ہوں اور منصفانہ طریقے سے عورتوں کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ آپؐ نے نصیحت کی کہ عورتوں کو مارا پیٹا نہ جائے۔

عورت کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے اس ضمن میں آپؐ کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

۱-اپنی بیوی کو مارنے والا اچھے اخلاق کا نہیں ہے۔

۲-تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے۔

۳-عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آنے کا خدا حکم دیتا ہے۔ کیوں کہ وہ تمہاری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں ہیں۔

۴-ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

۵-کوئی مسلمان اپنی بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی ایک عادت بُری ہے تو اس کی دوسری اچھی عادت کو دیکھ کر مرد کو خوش ہونا چاہیے۔

۶-اپنی بیوی کے ساتھ غلام جیسا برتاؤ نہ کرو۔ اس کو نہ مارو۔

۷-جب تم کھاؤ تو اپنی بیوی کو بھی کھلاؤ۔ جب تم پہنو تو اپنی بیوی کو بھی پہناؤ۔

۸-بیوی کو طعنہ نہ دو، چہرے پر نہ مارو، اس کا دل نہ دکھاؤ، اس کو چھوڑ کر نہ چلے جاؤ۔

۹-بیوی اپنے شوہر کی جگہ جملہ اختیارات کی حامل ملکہ ہے۔

۱۰-اپنی بیویوں کے ساتھ جو اچھی طرح برتاؤ کریں گے وہی تم میں سب سے بہتر ہیں۔

اتنے حقوق عطا کر کے عورت کو آزاد بھی نہیں چھوڑا بلکہ اس کو بعض حدود کا پابند بھی کیا:

۱-جب شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے۔ جب حکم دے تو اطاعت کرے۔ شوہر اگر دور ہو تو اس کی ملکیت اور اپنی عفت کی حفاظت کرے۔ ایسی ہی عورت معیاری بیوی سمجھی جائے گی۔

۲-اچھے اخلاق کی بیوی کا میسر ہونا بے نظیر دولت کے مترادف ہے۔

۳- جو پنج گانہ روزانہ نماز ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے اور اپنی عفت کی حفاظت کرے ایسی خاتون جس راہ سے چاہے جنت میں داخل ہو۔

۴- دنیا کی ساری دولت سے زیادہ قیمتی شے عفت مآب بیوی ہے۔

اس طرح آپؐ نے عورت کو حقوق بھی عطا کیے اور اس کے فرائض سے بھی آگاہ فرمایا۔

اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ عورتوں کو اتنے سارے حقوق عطا کرنے والے اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت کیوں ہے؟ کیا یہ عورتوں پر صریح ظلم نہیں ہے؟

اس سلسلے میں ہمیں تاریخ، مرد کی فطرت اور زندگی کے عملی مسائل کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔

ہندوستان کے راجہ دشرتھ کے کئی بیویاں تھیں۔ اسی طرح کرشن جی کو بھی ہم رکمنی، ستیہ با اور رادھا کے علاوہ بے شمار گوپیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔

ولی عورتوں کے ساتھ مرگن جیسے دیوتا کو ہم عیش کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ یہ تو تھی قدیم زمانے اور پرانوں کی بات۔ اب تاریخی واقعات کو لیجیے۔ بڑے بڑے راجاؤں کے یہاں ایک سے زائد بیویاں ہوتی تھیں۔

تمل ناڈ کے کٹا بمّن کے گھر کئی بیویاں تھیں۔

آج بھی بعض سیاسی لیڈر کئی بیویاں رکھتے ہیں۔

اسلام سے پہلے عرب میں بیویوں کی تعداد پر کوئی حد بندی نہیں تھی۔ نبی کریمؐ نے مرد کی نفسیات اور عملی ضرورتوں کا لحاظ رکھ کر اس لامحدود تعداد کو چار تک محدود رکھا۔

اسلام سے پہلے عرب دنیا میں شادی کا کوئی خاص ضابطہ نہ تھا۔ گروہ در گروہ بیویاں اور لونڈیاں رکھنے کا رواج عام تھا۔ اسی طرح طلاق پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی جس نے جب چاہا طلاق دیدی۔ ان حالات کی اصلاح کے لیے خدا کے احکامات آئے، محدود تعداد میں شادی کی اجازت دی گئی اور طلاق کے سلسلے میں مناسب آداب اور ضابطے کی پابندی کا حکم دیا گیا۔ قرآن میں فرمایا گیا:

"تمھیں اگر اندیشہ ہو کہ یتیم بچوں کی پرورش بغیر نکاح کیے نہ ہو سکے گی تو اپنی پسند کی دو تین یا چار عورتوں سے تم عقد کرسکتے ہو۔ (یہ اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ بھی تم انصاف نہ کرپاؤ گے تو) ایک عورت یا لونڈی پر ہی بس کرو بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ آسان طریق کار ہے۔

(نساء:۳)

اس ہدایت میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان پر غور فرمائیے۔عدل وانصاف اور سچائی کے ساتھ منکوحہ کے ساتھ پیش آ ؤ۔تعدُّدِ ازدواج کی اجازت بھی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ناانصافی سے بچنے کی تاکید بھی۔عدل وانصاف ممکن نہ ہو تو ایک شادی ہی پر زور دیا گیا ہے۔

مرد کو کسی بھی وقت اپنی جنسی پیاس بجھانے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔اس لیے کہ اسے قدرت نے ہر حال میں ہمیشہ جنسی فعل کے قابل بنایا ہے جب کہ عورتوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

ماہواری کے ایام میں، حمل کے زمانے (نو دس ماہ)، زچگی کے بعد کے چند ماہ عورت اس قابل نہیں ہوتی کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر مباشرت کر سکے۔

سارے ہی مردوں سے یہ توقع رکھنا صحیح نہ ہوگا کہ وہ نہایت ضبط وصبر سے کام لیں گے اور جب تک ان کی بیویاں اس قابل نہیں ہو جائیں کہ وہ ان کے پاس جائیں وہ اپنے کو جنسی فعل سے باز رکھیں گے۔مرد جائز طریقے سے اپنی ضرورت پوری کر سکے۔ضروری ہے کہ اس کے لیے راہیں کھولی جائیں اور ایسی تنگی نہ رکھی جائے کہ وہ حرام راستوں پر چلنے کو اپنے کو مجبور پائے۔بیوی تو اس کی ایک ہو، آشنا عورتوں کی قید نہ رہے۔اس سے سوسائٹی میں جو گندگی پھیلے گی اور جس طرح اخلاق وکردار برباد ہوں گے اس کا اندازہ کرنا آپ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

زنا اور بدکاری کو حرام قرار دے کر تعدد ازدواج کی قانونی اجازت دینے والا حکیمانہ دین، دین اسلام ہے۔

ایک سے زائد شادیوں کی کچھ حدود کے ساتھ اجازت دے کر دراصل اسلام نے مرد اور عورت کی جسمانی ساخت، ان کی نفسیات اور عملی ضرورت کا پورا لحاظ کیا ہے اور اس طرح ہماری نگاہ میں اسلام عین ایک سائنٹفک مذہب ثابت ہوتا ہے۔

کیا اِسلام تلوار سے پھیلا؟

یہ کہنا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے محض ایک غلط دعویٰ ہے اور تمام تر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ آیئے اس پہلو سے بھی حقیقت کا جائزہ لیں اور صحیح نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

عیسائیت اور اسلام اپنے ابتدائی مرحلے میں خاموش تبلیغ کے ذریعے سے پھیلائے گئے۔

عیسائیت کی اشاعت حضرت مسیحؑ کے بعد ان کے حواریوں نے کی۔

مگر اسلام کی تبلیغ کچھ ہی دنوں تک خاموش انداز میں ہوتی رہی۔ پھر ببانگِ دہل اس کی دعوت دینے کا حکم آ گیا۔

اسلام میں کوئی جبر واکراہ نہیں، واضح طور پر اس کا اعلان کیا گیا ہے۔ چناں چہ فرمایا گیا ''دین کے معاملے میں کوئی زور وزبردستی نہیں۔'' ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو نبیؐ نے جنگیں کیوں کیں اور آپؐ کو تلوار کیوں اُٹھانی پڑی؟ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے جو جنگیں کی ہیں انھیں جارحانہ جنگ نہیں کہہ سکتے۔ آپؐ کی جنگیں جارحانہ نہیں بلکہ مدافعانہ تھیں۔ اہلِ مکہ مدینہ کی اسلامی ریاست کو ختم کر دینے کے منصوبے سے نکلے تھے۔ یہ مدینہ وہی ہے، جس نے خدا کے نبیؐ کو پناہ دی تھی۔ اسلام کے نظام کو ختم کرنے کے لیے قریش نے جارحانہ اقدام کیا تو ان سے جنگ کرنی پڑی۔

تاریخ کے بعد کے اَدوار میں مسلم حکمرانوں نے جو جنگیں لڑی ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہندو راجہ راجندرن نے جاوا اور سماترا پر فوج کشی کی، وہاں آج بھی ہندو کلچر کا اثر پایا

جاتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ راجہ راجندرن نے ہندو مذہب کے پھیلانے کے لیے یہ فوج کشی کی تھی۔

یورپ کے عیسائیوں نے فوج کشی کی اور مشرقی ممالک میں اپنا سامراج قائم کیا۔ اس سامراجیت میں عیسائیت کو فروغ حاصل ہوا۔ لیکن کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان ممالک میں عیسائیت تلوار کے زور سے پھیلی ہے؟ فوج کشی تو بالعموم ملک گیری کے لیے ہوتی ہے پھر جس ملک میں جن لوگوں کی حکومت قائم ہو جاتی ہے ان حکمرانوں کی نقل وہاں کے عوام کرنے لگتے ہیں اور ان کے مذاہب کو اختیار کرنے لگتے ہیں۔ ہندوؤں کا ایک مسلک سمنر مسلک ہے۔ اس مسلک کے لوگوں کی حکمرانی جب تمل ناڈ میں ہوئی تو یہاں سمنر مسلک کا فروغ ہوا۔ ہندوستان میں جب بدھ حکمراں تھے تو بدھ ازم کو فروغ حاصل ہوا۔ اسی طرح سیومر مسلک کے ہندو جب حکمراں ہوئے تو یہ مسلک مقبولِ عام ہوا، اور جب ویشنو مسلک کے لوگ حکمراں ہوئے تو اس مسلک کو عام مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسا راجہ ویسی پرجا کی بات ہی تھی ورنہ مذہب کے پھیلاؤ سے ان حکمرانوں کو نہ دلچسپی تھی نہ اس کے لیے حکمرانوں نے کبھی جنگ ہی کی۔

تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ اگر کسی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو اسے محض اسلام قبول نہ کرنے کے جرم میں قتل کر دیا گیا ہو۔

مگر کیتھولک اور پروٹسٹینٹ کے درمیان کشمکش میں مذہب کی بنیاد پر وسیع پیمانے پر قتل و غارت گری ہوئی۔ دور کیوں جائیے، تمل ناڈ کی تاریخ دیکھیے۔ مدورائی میں گیان سمندر کے دور میں آٹھ ہزار سمنر مسلک کے پیروؤں کو مصلوب کیا گیا۔ یہ ہماری تاریخ ہے۔

عرب میں نبی کریمؐ حکمراں تھے تو وہاں یہودی بھی آباد تھے اور عیسائی بھی۔ لیکن ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔

ہندستان میں مسلم حکمرانوں کے زمانے میں ہندو مذہب کو اپنانے اور اس پر چلنے کی مکمل اجازت تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان حکمرانوں نے مندروں کی حفاظت کی ہے، ان کی نگرانی کی ہے۔

مسلم فوج کشی اگر اسلام کو پھیلانے کے لیے ہوتی تو دہلی کے مسلم سلطان کے خلاف مسلمان بابر ہرگز فوج کشی نہ کرتا۔ ملک گیری اس دور کی مسلمہ سیاسی پالیسی تھی۔ ملک گیری کا کوئی تعلق مذہب کی اشاعت سے نہیں ہوتا۔ بہت سارے مسلم علما و صوفیا اسلام کی تبلیغ کے لیے

ہندستان آئے ہیں اورانھوں نے اپنے طور پر اسلام کی تبلیغ کا کام یہاں انجام دیا۔ان کا مسلم حکمرانوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔اس کے ثبوت میں ناگور میں مدفون حضرت شاہ الحمید اوراجمیر کے شاہ معین الدین چشتیؒ وغیرہ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

اسلام اپنے اصولوں اوراپنی اخلاقی تعلیمات کے لحاظ سے اپنے اندر بے انتہا کشش رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسانوں کے قلوب اس کی طرف خود بہ خود کھنچتے چلے آتے ہیں۔پھرایک ایسے دین کواپنی اشاعت کے لیے تلواراٹھانے کی حاجت ہی کیاباقی رہتی ہے۔

کمیونزم سے بہتر اور برتر ہے اِسلام

سرمایہ داری کی ریڑھ کی ہڈی کوتوڑنے والے نظریات دو ہیں، ایک کمیونزم دوسرا اسلام۔
یہاں کے کمیونسٹوں میں چند ہی نے داس کیپٹل (Dascapital) کا گہرا مطالعہ کیا ہوگا۔ مارکس کی ایک تھیوری ہے جس کا نام ہے قدرِ زائد (Surplus value) اسی اصول کی وضاحت پر مارکس کی تحریر تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

کمیونزم کا دعویٰ ہے کہ سرمایہ کار اپنا سرمایہ لگاتا ہے۔ مزدور اپنی محنت سے اس سرمایہ میں نفع پیدا کرتا ہے۔ یہ جو منافع ہے جو اصل سرمایہ سے زائد ہوتا ہے اس زائد آمدنی سے سرمایہ دار ایک اور کارخانہ کی بنیاد ڈالتا ہے اور عوام کا استحصال کرتا ہے۔ اس دعویٰ کے بعد کمیونزم آگے بڑھتا ہے اور سرمایہ داری کی اصل قوت یعنی اِس قدر زائد کو ختم کرنے کا عزم کرتا ہے۔ وہ سرمایہ داری کو ہٹا کر پیداوار کے سارے ذرائع کو قومیا لیتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ صنعتوں کو قومیا لینا کیا مسئلے کا حل ہوسکتا ہے؟ قومیائی ہوئی صنعت میں بھی قدرِ زائد یا نفع وجود میں آئے گا۔ سوال یہ ہے کہ اس نفع کو کہاں لے جایا جائے اور یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ آج عملاً اس نفع کا کیا ہو رہا ہے۔

پہلے صنعتوں کو قومیایا جاتا ہے۔ پیدا ہونے والے نفع سے مزدوروں کو کچھ حصہ دیا جاتا ہے باقی عوام کے لیے کچھ بھی نہیں۔

کسی صنعت کے نفع میں سے صرف اس میں کام کرنے والے مزدوروں ہی کو حصہ ملتا ہے دیگر کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں یا ملک کے غریب عوام کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ قومیا لیے جانے کا یہ مطلب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ نفع قوم کے سارے افراد پر تقسیم ہونا چاہیے۔

کمیونسٹ حکومت قانون کے زور سے نفع کو چھین کر دوسروں کو دے دیتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں قدرِ زائد کو دوسروں پر خرچ کرنے پر اُبھارا جاتا ہے اور اس کی تاکید کی جاتی ہے۔ اس عمل کے پیچھے اصل محرک حکومت کا دباؤ نہیں بلکہ عقیدے کی طاقت ہوتی ہے۔

کمیونسٹ ممالک میں صنعتوں ہی کو قومیایا جاتا ہے۔ نفع کی تقسیم کا جو بھی انتظام ہوتا ہے انھی میں ہوتا ہے۔ رہی وہ جائداد جو افراد کے قبضے میں ہوتی ہے اس سے حاصل ہونے والے منافع کی تقسیم کا کوئی تصور نہیں ہے اور نہ عملاً اس کا کوئی نظم رکھا گیا ہے۔ جب کہ اسلام افراد کی آمدنی کے قدر زائد کو بھی دوسروں پر خرچ کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ قدرِ زائد ہی کے ایک حصے کو بھلائی کے لیے نکالنے اور خرچ کرنے کو زکوٰۃ سے موسوم کرتا ہے۔ عربی زبان میں زکوٰۃ کے معنی ہیں تزکیہ اور پاکیزگی۔ اپنی آمدنی میں سے ایک حصے کو نکالنا زکوٰۃ ہے گویا زکوٰۃ دے کر آدمی اپنے مال کو پاکیزگی بخشتا ہے۔ ایسا نہ کیا جائے تو سارے کا سارا مال ناپاک ہو جاتا ہے۔ ایسی اعلیٰ تعلیم دنیا میں صرف اسلام نے دی ہے۔

یہاں کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ اپنے مال میں سے بھلائی کے لیے خرچ کرنے کی تعلیم تو مذہب کی ایک سفارش ہے۔ کوئی مال دار اگر دھوکا دینا چاہے تو آخر دھوکا دہی سے اسے باز کیسے رکھا جائے گا؟

اس اعتراض کا جواب ہمیں تاریخ میں ملتا ہے۔ منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف خلیفۂ اوّل سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے تلوار اٹھائی تھی۔ حالاں کہ یہ زکوٰۃ کا انکار کرنے والے بہ ظاہر مسلمان اور اسلام کے پیرو تھے۔ دین اسلام کو ماننے والوں اور نبی کریمؐ پر ایمان رکھنے والوں، نماز کے پابند لوگوں کے خلاف یہ تلوار اٹھی تھی۔ جس جرم کے یہ مرتکب ہوئے تھے وہ ایک سنگین جرم تھا۔ اللہ پر ایمان کے بعد جس پہلو پر اسلام بہت زیادہ زور دیتا ہے وہ ہے زکوٰۃ۔ یعنی اپنے مال سے ایک حصے نکال کر اپنے کمزور بھائیوں کی مدد کرنا۔ یہاں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ افراد اپنی ذاتی آمدنی اور اپنے ذاتی سرمایہ میں سے دوسروں پر خرچ کریں اس کی تعلیم کمیونزم نہیں دیتا۔ لیکن اسلام ہے کہ اس کی سخت تاکید کرتا ہے کہ اس طرح کا انفاق لازماً کیا جائے۔ اور اگر ایسا انفاق کوئی نہ کرے، خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اسلام کی تلوار اس کے خلاف اٹھ جائے گی۔

اسلام کمیونزم سے برتر اور بہتر ہے۔

عام طور پر سرمایہ کار کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس کا سرمایہ اس کے آرام و راحت کے لیے ہے۔ اسے دوسروں پر خرچ کرنا اپنے لیے تنگ دستی کی دعوت دینا ہے۔ یہی اندیشہ عام طور سے لوگوں کو ستاتا ہے۔

اسلام سب سے پہلے اس اندیشے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ قرآن علی الاعلان کہتا ہے کہ خرچ کرنے سے تنگی نہیں فراخی آتی ہے:

''شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرم ناک طرزِ عمل (بخل) اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر اللہ تمھیں اپنی مغفرت و فضل کی امید دلاتا ہے۔ اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے۔''
(بقرہ:۲۶۸)

بخل کیا ہے؟ اپنی ضروریات پر، اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر اور دیگر لوگوں کی ضروریات پر خرچ کرنے کے بجائے پیسہ کو جوڑ جوڑ کر رکھتے رہنا۔

تمل فلمی دنیا میں ایک مشہور گلوکار تھے۔ وہ انتہائی بخیل تھے۔ ان کے بیٹے کے پیر میں زخم ہوا تو اس کے علاج پر خرچ کرنے سے بھی وہ کتراتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا لڑکا فوت ہوگیا۔ یہ ہے بخل کا نتیجہ۔ اس طرح کی کنجوسی اور تنگی کی اسلام سختی سے مخالفت کرتا ہے۔

اسلام نے صرف خرچ کرنے کی تعلیم ہی نہیں دی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خرچ کے آداب بھی سکھائے ہیں۔ بعض لوگ خرچ تو کرتے ہیں مگر احسان جتانے کے لیے یا ان کا مقصد شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے غلط محرکات کو اسلام ناجائز قرار دیتا اور انھیں ختم کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انفاق ایک دینی فریضہ ہے اور نماز کے بعد اسلام کا دوسرا بڑا رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا تمہارے انفاق کا کوئی اور مقصد نہیں ہونا چاہیے۔ یہی قرآن کی تاکید ہے۔

میں نے بعض شہروں میں دیکھا ہے کہ کسی صاحب نے ایک ادارے کو ٹیوب لائٹ بہ طور عطیہ دی اور اس پر دینے والے کا نام اتنے بھونڈے طریقے سے لکھا گیا کہ روشنی باہر نہ آسکی۔ اسلام کہتا ہے کہ اس طرح کا انفاق اور اس طرح کا دینا نہ صرف غلط ہے بلکہ ساری نیکیوں کو برباد کردینے والا ہے۔ بعض لوگ دوسروں کی مالی یا دیگر قسم کی مدد تو کرتے ہیں مگر اپنے احسان کا دباؤ مدد لینے والے پر اتنا ڈالتے ہیں کہ اس کا دل مجروح ہوکر رہ جاتا ہے۔ ایسی ساری حرکات کو اسلام ممنوع قرار دیتا ہے۔ قرآن میں ہے:

''ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے تکلیف دہ بات ہو۔'' (بقرہ:۲۶۳)

ونزبا بھاوے جب بھودان تحریک چلا رہے تھے تو کچھ لوگ اچھی زمین دان کرنے والے بھی تھے مگر بہت سے لوگ بنجر اور پتھریلی زمین ہی دان کر رہے تھے۔

اپنے گھر کے پھٹے پرانے کپڑے، باسی کھانا، ٹوٹے پھوٹے سامان دوسروں کو دینے والے فیاض بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ پھٹے نوٹ اور کھوٹے سکے خیرات کرنے والے دنیا میں مل جائیں گے۔لیکن اسلام اپنے پاس کی بہترین چیزوں کو خرچ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔اپنی پسند کے لباس، اپنی مرغوب غذائیں، اپنی من چاہی دولت ان سب کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید کرتا ہے۔آپ کی کمائی میں جو بہترین چیزیں ہیں انھیں آپ راہِ خدا میں خرچ کریں یہ ہے اسلام کی تعلیم۔قرآن میں ہے:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصہ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لیے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو۔'' (بقرہ:۲۶۷)

آپ دوسروں کو کھانا، کپڑا یا مالی مدد جو بھی دیتے ہیں، اسلام اس کو چھپا کر دینے کو بہتر قرار دیتا ہے۔ اگر چہ وقتِ ضرورت اعلانیہ بھی مدد کی جاسکتی ہے۔قرآن میں ہے:

''اگر تم اپنے صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔'' (بقرہ:۲۷۱)

انفاق کے سلسلے میں ایک صورت حال یہ بھی ہے کہ ایک فضول خرچ اور شرابی آپ کے پاس مدد کے لیے آتا ہے۔کیا آپ اس کی مدد کریں گے؟ اگر مدد کریں گے تو یہ مدد کس نوعیت کی ہوگی؟ اسلام نے ان سوالوں کا بھی جواب دیا ہے۔ غلط کار اور کوتاہ فہم کے ہاتھ میں رقم نہ دی جائے، یہ اسلام کی تعلیم ہے۔تاہم ان کے کھانے کپڑے کا انتظام کیا جائے۔قرآن میں ہے:

''اور اپنے وہ مال جنھیں اللہ نے تمہارے لیے قیامِ زندگی کا ذریعہ بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو البتہ انھیں کھانے اور پینے کے لیے دو اور انھیں نیک ہدایات کرو۔'' (النساء:۵)

ان کی بنیادی ضروریات یعنی کھانے کپڑے کی فکر کرنے کے بعد اسلام اس سلسلے میں جو ہدایات دیتا ہے، آیئے اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں۔

۱-تمہارے اور تمہارے اہل و عیال پر خرچ کرنے سے بچ رہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو۔

۲- اپنی استطاعت سے بڑھ کر خرچ نہ کرو اور نہ ہی بخل سے کام لو۔ تمہاری روش اعتدال کی ہو۔

۳-ایسا نہ کرو کہ خرچ سے اپنا ہاتھ بالکل ہی روک دو اور نہ ہاتھ کو اتنا کھلا رکھو کہ خود مدد کے مستحق ہو جاؤ۔

۴-تمہارے اپنے غریب رشتہ دار، محتاج، فقراء، یتیم اور مسافر یہ تمہاری مدد کے مستحق ہیں۔

اپنے مال کی زکوٰۃ دینی مسلمان پر فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی سے غافل رہنے والوں کے لیے سخت وعید ہے۔ ایک دفعہ نبی ﷺ نے ایک عورت کے پاس سونے کے کنگن دیکھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ خاتون نے کہا، نہیں۔ تو نبیؐ نے کہا کہ آخرت میں تمھیں آگ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ (خاتون نے وہ کنگن خیرات کر دیے)۔

زکوٰۃ کی رقم کن لوگوں پر خرچ کی جاسکتی ہے قرآن میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ غریبوں محتاجوں، قرض داروں، یتیموں اور مسافروں کی مدد کے علاوہ زکوٰۃ کی رقم تالیفِ قلب کے لیے بھی خرچ کی جاسکتی ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے بھی زکوٰۃ کے مد سے خرچ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح قیدیوں کو قید سے آزادی دلانے کے لیے زکوٰۃ کا روپیہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ زکوٰۃ کی وصولی وغیرہ پر مامور ہوں گے ان کا معاوضہ بھی زکوٰۃ کے مد سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ مصارفِ زکوٰۃ میں سے ایک فی سبیل اللہ بھی ہے۔ فی سبیل اللہ اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے بہت جامع اصطلاح ہے۔ بھلائی کے سارے کام فی سبیل اللہ کے تحت آتے ہیں بالخصوص دین کی تبلیغ و اشاعت اور اسے سر بلند کرنے کی جدوجہد وغیرہ فی سبیل اللہ ہی میں داخل ہیں۔

ماں باپ اور اولاد وغیرہ جن کی کفالت آدمی کے ذمے ہوتی ہے ان پر زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی۔ مال کا یہ حصہ تو دوسروں کے لیے ہی نکالنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اب اسلامی تعلیمات کے ایک اور پہلو کو لیجیے۔حتی الامکان سوال کرنے اور مانگنے سے بچنے کی اسلام نے تاکید کی ہے۔آدمی کو کوشش اس بات کی کرنی چاہیے کہ وہ دینے والا بنے نہ کہ لینے والا۔کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے کہ آدمی لکڑی کاٹے اور اس سے اپنا گزارہ کرے۔یہ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے۔

ایک بار ایک بدو کو حضورؐ نے بلایا اور اس کے ہاتھوں کو چوم لیا۔اس کے ہاتھ پر محنت و مشقت کے نشان تھے۔وہ اپنی گزراوقات کے لیے محنت مزدوری کرتا تھا اس لیے خوش ہو کر آپؐ نے اس کے ہاتھ کو چوم لیا تھا۔

ایک طرف اسلام نے سوال کرنے اور مانگنے سے روکا ہے تو دوسری طرف خوش دلی کے ساتھ دوسروں پر اپنے مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم میں حد درجہ حسن واعتدال پایا جاتا ہے۔

چند وضاحتیں

''اسلام--جس سے مجھے عشق ہے'' پڑھ کر بعض حضرات نے مسٹراڈیار سے اسلام کے بارے میں کچھ اعتراضات اور کچھ سوالات کیے۔ ہم یہاں وہ سوالات واعتراضات اوران کے جواب قارئین کی دلچسپی کے لیے نقل کر رہے ہیں۔

مسلم ممالک کے باہمی جھگڑے اور اِسلام

ایک غیر مسلم بھائی نے سوال کیا کہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم مما لک آپس میں دست بہ گریباں ہیں۔ حالاں کہ وہ سب اسلام کے ماننے والے ہیں۔ پھر اسلام سے عشق ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹراڈیار نے کہا کہ

جہاں تک میں سمجھتا ہوں عشق تو عشق ہے۔ مسلمان کیا کرتے ہیں اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسلمانوں کی کوتاہیوں اور خامیوں کو دیکھ کر میں اسلام کی تعریف کرنے سے باز نہیں آ سکتا۔ اس پر ایک صاحب نے کہا کہ

''عرب مما لک کے ایک دوسرے سے جنگ کرنے سے کیا اسلام پر سے یقین نہیں اُٹھ جاتا۔''

مسٹراڈیار نے فرمایا:

''بہ ظاہر اس سوال میں وزن محسوس ہوتا ہے لیکن حقیقت کچھ اور ہے ... یقین اُٹھ جانے کے لیے کوئی مضبوط اور ٹھوس بنیاد چاہیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چین اور ویت نام دونوں ہی کمیونسٹ ملک سرخ جھنڈوں کے علمبردار ہیں۔ پھر بھی دونوں میں جنگ ہوئی۔ کیا ہندستان کے

کمیونسٹ یہ کہتے ہیں کہ کمیونزم پر سے ہمارا یقین اُٹھ گیا ہے۔ یقیناً وہ یہ نہیں کہیں گے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہٹلر اور چرچل دونوں عیسائی تھے۔ دونوں کی قیادت میں جرمنی اور انگلستان میں شدید ترین اور ہول ناک جنگ ہوئی۔ کیا اس جنگ نے عیسائیوں کے دلوں سے ان کا ایمان و یقین چھین لیا اور انھوں نے عیسائیت سے توبہ کر لی؟ یقیناً نہیں ــــ پھر دیکھیے۔ ہندستان کے مختلف مندروں میں بار بار جھگڑے ہوئے تو کیا اس سے مندروں کے پجاری خدا سے بیزار ہو کر ملحد اور خدا کے منکر ہو گئے؟ ــــ ہرگز نہیں۔

اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو مسلم ممالک کے محض ایک دوسرے سے ٹکرانے سے اسلام سے بے اطمینانی کا سوال کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟

یہ تو مختلف ممالک کے جھگڑے ہیں، جس کا عقیدے اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ جھگڑے آج ہیں تو کل ختم بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن عقیدہ و یقین آج بھی باقی ہے۔ اور کل بھی باقی رہے گا۔ یہ بدلنے اور متزلزل ہونے والی چیز نہیں۔

آج دنیا میں کمیونزم ایک قوت کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے مقابلے میں سرمایہ داری ایک دوسری قوت ہے۔ تیسری قوت اگر دنیا میں کوئی ہے تو وہ قوت اسلام کی ہے۔

اول الذکر دونوں قوتیں بالآخر تیسری قوت کے آگے سرنگوں ہوں گی۔ تاریخ کا مطالعہ یہی بتاتا ہے۔ ماضی کی تاریخ بھی، دورِ حاضر کی تاریخ بھی، مستقبل کی تاریخ بھی، سبھی اس کی نشان دہی کرتے ہیں۔

یہ سارے اسلامی ممالک انتہائی غریب تھے۔ لیکن عرب کے صحرا سے دنیا میں روشنی پھیلے گی، یہ نبی کریمؐ کا اعلان تھا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج وہاں پتھروں میں سے پٹرول نکل رہا ہے۔[۱] عرب اسلامی عقائد پر مزید یقین و عمل کا اظہار کریں گے تو ان پر اللہ کا فضل دنیا میں بھی بے انتہا ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی بے داغ تھی۔ اسی طرح خلفائے راشدین کی زندگی بھی۔ تاریخ کے بعد کے ادوار میں چند نوابوں اور بادشاہوں کے قدموں کو لغزش ہوئی ہے۔ کچھ غلطیاں ان سے سرزد ہوئی ہیں لیکن امتِ مسلمہ کا دین پر اور اپنے اصولوں پر غیر متزلزل یقین رہا ہے۔

---

(۱) پٹرو ایک لاطینی لفظ ہے جس کے معنی ہیں پتھر۔ پٹرول کے معنی ہیں فضل کیا ہوا۔

دورِ اوّل میں ان کی تعداد لاکھوں میں تھی تو آج یہ تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں اور مسلم ممالک کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے عقیدے کے متزلزل ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا، افراد کی غلطیوں سے اصول باطل نہیں ہوجاتے، شکست نہیں کھاجاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی پیچیدہ ترین مشکلات کا حل اور دنیا کی مصیبتوں کا مداوا اسلام ہی ہے۔ سورج اگر ماند پڑ جائے تو روشنی کہاں سے آئے گی؟ سمندر اگر نمکینی کھودے تو نمک کہاں سے آئے گا؟ چشمہ سوکھ جائے تو پانی کا دھارا کہاں سے آئے گا؟ اسلام شکست کھا جائے تو دنیا اور نوعِ انسانی کہاں سے دکھوں کا مداوا پائے گی؟

اسلام کی سزائیں

عام طور سے غیر مسلم بھائیوں میں یہ بات مشہور ہے اور اسے خوب پھیلایا بھی گیا ہے کہ مسلمان بے رحم ہوتے ہیں۔ اور ان کے ہاں سزائیں بھی بہیمانہ دی جاتی ہیں۔ چوروں کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور زِنا پر رجم کی سزا دی جاتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے فوج کشی کر کے مندروں کو ڈھایا ہے اور ظلم وستم کو روا رکھا ہے۔ انھی باتوں کو لے کر کہا جاتا ہے کہ مسلمان ظالم اور بے رحم ہوتے ہیں۔

یہ الزامات لگانے سے پہلے لوگوں کو اپنا دامن بھی دیکھنا چاہیے۔ پھر اصل حقیقت کھل کر سامنے آ سکتی ہے۔

☆ بیٹے نے بچھڑے کو ذبح کر دیا تو منوسمرتی کے احکام کے بہ موجب چولان (Cholan) نے اپنے بیٹے کو پھانسی پر لٹکایا۔ اس عمل کو آخر کیا کہا جائے گا؟

☆ شہنشاہ کے باغ سے ایک پھل ندی میں گر کر بہتا ہوا چلا آیا، اس کو ایک لڑکی نے اُٹھا کر کھالیا۔ ننّن Nunnen نامی شہنشاہ نے اس جرم میں اس کو قتل کی سزا دی۔

☆ مشہور شاعر کنگی کے پیر کے کنگن کو ایک سنار نے چرایا تو اس وقت کے سارے ہی سناروں کو قتل کر دیا گیا۔

☆ گیانا سمندر نامی پیشوا ایک مٹھ میں مقیم تھے تو سمنر نامی ایک قوم کے لوگوں نے اس مٹھ کو آگ لگانے کی کوشش کی۔ اس قصور پر اس قوم کے آٹھ ہزار افراد کو سولی دی گئی۔

☆ اپّر نامی ایک شخص کو مذہب تبدیل کرنے کے جرم میں پتھر سے باندھ کر سمندر میں پھینک دیا گیا۔ جب وہ بچ نکلا تو اس کو چونے کی بھٹی میں اتار دیا گیا۔

☆ تنالی رامن کے واقعات میں ایک واقعہ یہ بھی آتا ہے کہ حکم شاہی کے نہ ماننے والوں کو زندہ دفن کیا گیا اور کچھ کو ہاتھی کے پیروں کے نیچے کچلا گیا۔

☆ تمل ناڈ کے ترو ملائی اور میسور کے ایک حکمراں کے درمیان جو جنگ ہوئی اس میں لوگوں کی ناک کاٹ دی گئی۔ میسور کے حکمراں نے تمل ناڈ پر انتقام لینے ہی کے لیے فوج کشی کی تھی اور لوگوں کی ناک اور ان کے ہونٹ کاٹ ڈالے تھے۔ پھر اس کے جواب میں اس وقت کے تمل ناڈ کے حکمراں نے میسور پر حملہ کیا اور اس نے اپنے دشمنوں کی ناک اور ہونٹ کاٹے (نائک بادشاہوں کی تاریخ کی کتاب سے لیا گیا)

☆ بچوں کا بلیدان کرنا، انسانی اعضاء کے نذرانے پیش کرنا۔ یہ رواج آج بھی ہمارے ملک میں کئی جگہ پایا جاتا ہے۔ آخر کیا یہ دَیا اور رحم دلی کے کارنامے ہیں۔؟

☆ مغربی دنیا میں صلیب دینا ایک عام بات رہی ہے۔ حضرت مسیحؑ کو سولی دینے کی کوشش کی گئی۔ سینٹ پٹر کو اُلٹا لٹکا کر سولی دی گئی۔

☆ جون آف آزک کو زندہ جلایا گیا۔

☆ پروٹسٹنٹ مسلک اختیار کرنے والوں کے سر پھوڑ کر دماغ کو پاش پاش کیا گیا اور انھیں زندہ جلایا گیا۔

☆ ڈھور ڈنگر کی طرح انسانوں کو افریقہ سے پکڑ کر لایا گیا اور یورپ کے بازاروں میں غلام بنا کر نیلام کیا گیا___ یہ تھی مغرب کی تہذیب۔

☆ ہٹلر نے گیس چیمبر میں بے شمار لوگوں کو ختم کیا۔

☆ آج بھی ہندستان کے مختلف مقامات سے یہ خبریں آتی ہیں کہ فسادات میں انسانوں کو زندہ جلایا گیا۔ ولی پورم، جمشید پور اور بھیلسا کے واقعات اس کے شاہد ہیں۔

اس طرح دنیا کے ہر ملک کی تاریخ ظلم وستم کی داستانوں سے داغ دار دکھائی دیتی ہے۔ مختلف فلسفوں کی بنیاد پر آدمی نے ظلم وستم کو روا رکھا ہے۔ وہیں اس کی طرف سے رحم دلی اور فیاضی کا اظہار بھی ہوا ہے۔ بہیمانہ اور ظالمانہ خیالات کو مٹا کر ان کی جگہ صحیح معنوں میں رحم کی تعلیم دینے والا اگر کوئی سچا مذہب ہے تو وہ اسلام ہے۔

بعض مذاہب میں خدا تعالیٰ کی صفات کو تقسیم کرکے ہر صفت کا ایک خدا مانا جاتا ہے۔ بعض مذاہب میں خدا کو صفات سے عاری ذات سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اسلام میں اللہ تعالیٰ سراسر رحمت دکھائی دیتا ہے۔ خود حضورؐ کی آمد کو رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کو

جگہ جگہ رحمٰن ورحیم کہا گیا ہے۔ اللہ کو یہ پسند ہے کہ اس کی صفت رحمت کا عکس اس کے بندوں کی زندگی میں بھی پایا جائے۔

اسلام کی تعلیم ہے کہ ہر کام اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کیا جائے۔ اسلام نے سلام کرنے کا جو طریقہ سکھایا ہے اس سے بھی رحمت وشفقت ہی کا اظہار ہوتا ہے۔ حقیقی مسلم دوسروں پر مہربان، شفیق ورحیم ہوتا ہے۔ قرآن کی تعلیم یہی ہے۔ اور نبی کریمؐ کا اسوہ بھی یہی ہے۔ چند افراد اگر اس رحم دلی کی راہ سے پھسل جاتے ہیں تو اسلام انھیں اس راہ پر پلٹ آنے کی تاکید کرتا ہے۔

ترکی کے ایک حکمراں سلطان سلیم تھے۔ وہ بہت سختی سے اپنے ماتحتوں سے پیش آتے تھے۔ اپنے ملک کی سب زبانوں اور سارے مذاہب کو مٹا کر ایک ہی زبان اور ایک ہی مذہب کو مروج کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن اس وقت کے شیخ الاسلام کی سخت مخالفت کے باعث سلطان کو اپنا یہ منصوبہ ختم کردینا پڑا۔

تفریح کے لیے جانوروں یا پرندوں کو باہم لڑانے کا رواج مختلف ممالک میں آج بھی پایا جاتا ہے۔ اسلام نے اس کی سخت مذمت کی ہے۔

عدی بن حاتم نے چیونٹیوں کو خوراک پہنچائی۔ یہ اسلام کی تعلیم کا اثر تھا۔ سڑک پر چلنے کا حق جانوروں کو بھی ہے۔ انھیں ہٹایا نہیں جاسکتا۔ شیرازی نے یہ اعلان کیا۔ اس قسم کے واقعات مسلمانوں کی تاریخ میں ملتے ہیں۔

اونٹ پر اگر تین افراد سوار ہوں اور اونٹ بوجھ سے دبا جاتا ہو تو سختی کے ساتھ ایک کو اُتار دو۔ یہ ہدایت بھی اسلام میں ملتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ رحم کی تعلیم دینے والا اسلام ــــــ سنگین جرائم پر مجرموں کو سخت سزائیں دینے کی تلقین بھی کرتا ہے۔ بلا شبہ اسلام نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس کے نتائج اور اثرات کو بھی دیکھنا چاہیے جن مسلم ملکوں میں یہ قانون رائج ہے وہاں چوری کے واقعات شاذ و نادر ہی پیش آتے ہیں۔

عرب ممالک میں قاتل کی گردن تلوار سے اُڑادی جاتی ہے جب کہ دوسرے ممالک میں پھانسی دی جاتی ہے یا بجلی کی کرسی پر بٹھا کر سزائے موت دیتے ہیں۔ سولی یا بجلی کے ذریعے سخت اذیت کے ساتھ جان نکلتی ہے اس لیے تلوار سے گردن مار کر سزائے موت دینے کو ترجیح حاصل ہے۔

کیا مسلمانوں نے مندروں کو ڈھایا ہے؟

اسی طرح کا ایک بے بنیاد الزام یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہندستانی مندروں کو ڈھایا ہے۔ ایسے الزام لگاتے وقت ہم بھول جاتے ہیں کہ اس طرح کی حرکتیں خود بھارت میں دوسرے لوگوں نے بھی کی ہیں۔ ہمارے یہاں سمنز مسلک والے مندروں کو ڈھایا گیا۔ ہم یہ بھی بھول گئے کہ ناگا ٹینم کی مورتیوں کو لوٹا گیا اور وہاں جو سونا تھا اسے ترومنگئی مقام کے آشوار اُٹھالے گئے۔

ہم یہ تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے مندر ڈھائے لیکن ہم اسے فراموش کر جاتے ہیں کہ انھوں نے ہندو مندروں کو زمین وقف کر دی۔ مسلمانوں نے اگر کچھ مندروں کو ڈھایا ہے تو اسباب کچھ اور رہے ہوں گے۔ اسلام کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ دوسروں کی عبادت گاہوں کو تباہ یا برباد کیا جائے۔

اس ضمن میں ایک صاحب نے ایک سوال اُٹھایا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے مندروں کو ڈھایا اور بتوں کو توڑا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی جو تاریخ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے وہ کوئی سچی اور تحقیق کی روشنی میں مرتب کی ہوئی تاریخ نہیں ہے۔ مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے درمیان دشمنی پیدا کرنے کی غرض سے مغرب کے فتنہ پردازوں نے یہ تاریخ لکھی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسلمانوں نے مندروں کو ڈھایا ہے اور مجسموں کو توڑا ہے تو میرا جواب یہ ہوگا کہ

اسلام میں دوسرے مذاہب کے مندروں کو ڈھانے یا انھیں توڑنے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ اس فعل کے مرتکب خواہ محمود غزنوی ہوں یا ان کے سپہ سالار، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اسلامی ریاست تو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرنے کی ذمے دار ہے۔

بتوں کو پوجنا غلط ہے۔ لوگوں میں یہ شعور اسلام پیدا کرتا ہے اور اس کے لیے وہ واضح دلائل سامنے لاتا ہے۔ دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں۔ اسلام نے یہ اعلان واضح الفاظ میں کیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کی دنیا شرک و کفر سے پاک ہو اور اس میں حق کی روشنی پھیل جائے۔ اس کے لیے وہ دعوت و تبلیغ کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ جبر و اکراہ کا طریقہ اس کے مزاج کے بالکل منافی ہے۔

نبی کریمؐ نے کعبہ کو بتوں سے پاک کیا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ لیکن یہاں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ کعبہ کی حیثیت اللہ کے گھر کی ہے۔ اسے بت خانہ تو لوگوں نے اپنی جہالت اور سرکشی کی وجہ سے بنا رکھا تھا۔ کعبہ صرف اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس بات کو عرب کے بت پرست بھی مانتے تھے۔ بعد کے زمانے میں اللہ کے گھر میں بہت سے بت لاکر رکھ دیے گئے جو بالکل غلط تھا۔ انھی بتوں کو نبیؐ نے کعبہ سے ہٹایا اور اسے پہلے کی طرح خالص خدا کی عبادت کا گھر بنا دیا۔

نبیؐ نے عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا ہو اس کی کوئی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔

اسلام کا فروغ اور تلوار

ایک سوال یہ کیا گیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے وہ دنیا میں نہیں پھیلا۔

یہ محض ایک دعویٰ ہے جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ قرآن نے تو صاف الفاظ میں جبر واکراہ سے کام لینے سے روکا ہے۔

اسلام پر اعتراض کرنے والے تاریخِ عالم کو فراموش کر جاتے ہیں۔ اُن کی زبان کھلتی ہے تو اسلام کے خلاف اور بے دلیل الزام تراشی کا فریضہ انجام دیا جانے لگتا ہے۔ تاریخِ عالم پر نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ بہت سی حکومتوں نے اپنے مسلک اور اپنے مذہب کو طاقت کے بل بوتے پر پھیلایا ہے۔ دور کیوں جایئے، ہندستان ہی کی تاریخ کو لیجیے۔ یہاں بدھ مت اشوک اور ہرش کی حکومت کی مدد سے پھیلا۔ سمنر مسلک کی بھی یہی تاریخ ہے۔ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب کہ ہندستان کے سارے ہی راجہ مہاراجہ سمنر مسلک کے تھے اور ہندستان پر یہی مت اور مسلک چھایا ہوا تھا۔ اس کے بعد ویدک دھرم (ہندو مذہب) کا دور آیا۔ اس دھرم نے حکومت کی طاقت سے دوسرے دھرم کے لوگوں کو ختم کیا اور اس سلسلے میں لوگوں کو سولی تک پر چڑھایا گیا۔ یہ ہے وہ طریقہ جسے اختیار کر کے ہندستان کو ایک ہندو ملک بنانے کی کوشش کی گئی۔

مزید برآں ہندستانی حکمرانوں نے فوج کشی کر کے دوسرے ملکوں میں بھی اپنے دھرم کو پھیلایا۔ جاوا، سماترا، کمبوڈیا میں آج بھی ہندو مذہب کے آثار اور مجسمے پائے جاتے ہیں۔ عیسائی مذہب کے حامل حکمرانوں نے جب دیگر ممالک پر فوج کشی کی تو وہاں انھوں نے عیسائیت کو اور فروغ دینے کی کوشش کی۔

اب اگر یہ ثابت بھی ہو کہ بعض مسلم حکمرانوں نے اسلام کی اشاعت میں اپنے اثر و رسوخ کو بھی استعمال کیا تو یہ کوئی نرالی غلطی نہیں ہے، جس سے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی جائے۔ آج کے علمی دور میں بھی بار بار یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اسلام اپنی طاقت سے نہیں بلکہ تلوار کی طاقت سے پھیلا ہے۔ حیرت تو اس بات کی ہے کہ یہ الزام لگانے والوں میں ایسے صاحبِ اقتدار لوگ بھی نظر آتے ہیں جن کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ بندوق کی نال پر اپنے اصول اور نظریے کو پھیلانے کی نامحمود سعی کرتے ہیں۔ لیکن ان کی نگاہ اپنی طرف نہیں جاتی۔

آج کے دَور میں مذہب کے معاملے میں جبر و اکراہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا البتہ اپنے خیالات و افکار پر قائم رہنے اور ان کو دوسروں تک پہچانے کا حق ہر ایک کو حاصل ہے۔ آج کے دور میں بھی مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ آخر انھیں کس تلوار کے ذریعے سے زیر کیا گیا؟ کوئی لوہے کی تلوار نہیں ہے، بلکہ وہ صداقت اور سچائی کی کشش ہے جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچ کر رہتی ہے۔